نور الحبیب ۲۰۰۵ء

13

جلد

اِخلاقیات

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کر یوں بسر کہ عاشقِ طیبہ کہوں تجھے
اور کیفیتِ عشق میں اپنا کہوں تجھے

اے حرفِ نعت! پیشِ نبیؐ سخا سرشت
پھیلا ہوا سا دستِ تمنا کہوں تجھے

اے ربِّ کائنات! یہ تجھ پر دلیل ہے
آقا کی رفعتوں کا شناسا کہوں تجھے

اے دوست! میں بلائیں نہ لوں کس طرح تری
جب میں نبیؐ پاک کا شیدا کہوں تجھے

اے ہم نفس! درودِ نبیؐ میں جو ہو مگن
نورِ پیمبری کا تجلّی کہوں تجھے

اے مرگ! تو جو طیبہ میں مجھ سے گلے ملے
تیری قسم ہے، دائما ''جینا'' کہوں تجھے

تو ہے علو نصیب، مرے توسنِ خیال
مدحت گرِ دیارِ مدینہ کہوں تجھے

جب ہیں شریکِ حال پیمبر کی شفقتیں
اے دردو رنج وغم! نہ کیوں عنقا کہوں تجھے

اس درجہ تو حسین، دلآویز اس قدر!
عشقِ رسول! حسن سراپا کہوں تجھے

خاطر میں تو کسی کو جو لاتا نہیں ذرا
اے دل! نہ کیوں حضور کا بندہ کہوں تجھے

سرکار کا مقام تو ہے ماورائے عرش
روح الامیں! فقط ''فلک پیما'' کہوں تجھے

گر تو رسا حقیقتِ سرکار تک نہ ہو
عقل فسوں طراز! میں پردہ کہوں تجھے

دیکھے جو سر زمینِ مدینہ کو تو فقط
غضِّ بصر میں چشم تماشا کہوں تجھے

طیبہ کو جا رہا ہے، عقیدت نہیں ہے ساتھ
زائر نہیں، میں سائرِ طیبہ کہوں تجھے

بے شک تو گھر خدا کا تھا، حرمت نشان تھا
لیکن نبیؐ کے حکم سے قبلہ کہوں تجھے

آوازۂ مدیحِ نبیؐ میں جو ساتھ دے
محمودؔ پھر تو اپنا شناسا کہوں تجھے

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شاعر نعت راجا رشید محمود



فتنۂ مال و دولت سے خبردار رہنے کی ضرورت

پروفیسر خلیل احمد نوری

حضور سید عالم فخر کائنات ﷺ نے فرمایا:

"ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے"---[ترمذی، ابواب الزہد]

نیز آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، ڈر اس بات کا ہے کہ تم مال و دولت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے"---

[بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید]

امت مسلمہ کے متعلق جس فتنے میں مبتلا ہونے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، وہ تاریخِ اسلام کے ہر دور میں سر اٹھاتا رہا ہے لیکن زمانۂ حاضر میں یہ فتنہ ماضی کے مقابلے میں کہیں شدید تر ہے اور آنے والا ہر لحہ اس میں مزید شدت پیدا کر رہا ہے--- جائز ذرائع سے حصولِ مال پر اسلام نے کوئی پابندی عائد نہیں کی، اسی لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں جہاں مہاجرین فقراء موجود تھے،

وہاں حضرت عثمان غنی ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے مال دار صحابہ بھی تھے، بعد کے ادوار میں بھی یہ ملی جلی کیفیت تھی---اسی طرح اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال و دولت کے باعث انسان کو نیکی اور اجر و ثواب حاصل کرنے کے ایسے مواقع میسر آتے ہیں، جن کا حصول مفلسی اور غربت میں ممکن نہیں---یہی وجہ ہے کہ فقراء صحابہ کرام نے حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت کی تھی کہ مال دار صحابہ اپنی مال داری کے باعث نیکیوں میں ہم سے بڑھ گئے ہیں کیوں کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں تو ہم بھی نمازیں پڑھتے ہیں، وہ روزے رکھتے ہیں تو ہم بھی روزے رکھتے ہیں، لیکن وہ مال صدقہ کرتے ہیں مگر ہم نہیں کر سکتے، لیکن جن خرابیوں اور برائیوں کی وجہ سے حضور ﷺ نے مال داری کو اپنی امت کا فتنہ قرار دیا تھا، مسلمانوں کی اکثریت ان میں پوری طرح مبتلا دکھائی دیتی ہے اور حضور ﷺ کا درج بالا فرمانِ اقدس حرف بہ حرف پورا ہوتا نظر آ رہا ہے---

کثرتِ مال کی خواہش اور دنیاوی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور ہونے کے روگ نے اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہٗ و ﷺ) کی محبت کم کر دی ہے اور احکامِ الٰہیہ کی تعمیل، موت اور فکرِ آخرت سے ہمیں غافل کر دیا ہے---قتل و غارت گری، فریب اور دھوکہ دہی عام ہے---انسانی رشتوں کا احترام رخصت ہو چکا ہے---ایثار و قربانی اور ہمدردی و غم خواری کے جذبات سرد پڑ چکے ہیں، اس کی جگہ خود غرضی، حسد، کینہ، عداوت، حرص و لالچ، نمود و نمائش اور شہرت طلبی اور اسراف و تبذیر جیسے باطنی اور قلبی امراض پیدا ہو چکے ہیں---اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کے بجائے مادی وسائل کو ہی اپنے مسائل و مشکلات کے حل کی کلید سمجھ لیا گیا ہے---یہ ہوس مال ہی کی فتنہ گری ہے جس نے مسلمانوں کے ایک طبقے کو کفار کی دل جوئی کرنے اور اسلام دشمن سرگرمیوں میں ان کے دست و بازو بننے پر آمادہ کر رکھا ہے---دین فروشی اور عقیدہ و ضمیر کی نیلامی کے جو مظاہر جا بجا نظر آتے ہیں وہ اسی فتنۂ مادیت کے سبب سے ہیں---

موجودہ دور میں ہوس مال و زر کی افزائش کے دو بنیادی اسباب ہیں، ایک ذرائع ابلاغ اور دیگر وسائل سے امراء کی مسرفانہ زندگی اور عیش پرستی کا اظہار اور دوسرا تربیتی عمل کا فقدان---ماضی قریب کا انسان سادہ زندگی پر اس لیے قناعت کیے ہوئے تھا کہ امراء کے چونچلوں، ان کی بود و باش اور ان کے طرزِ زندگی سے واقف نہ تھا اور نہ ہی پر تعیش زندگی کی خواہش اس کے دل میں جنم لیتی

تھی--- جدید ذرائع ابلاغ نے آج کے انسان کے سامنے پوری دنیا کے چھپے گوشوں کو بالکل عیاں کر دیا ہے اور اب وہ دولت مندوں کی اندرونِ خانہ سرگرمیوں سے واقف ہو کر ویسی ہی آسائش بھری زندگی اختیار کرنے کا جنون لیے ہوئے ہے--- اس پر سوا یہ کہ جو افراد اور ادارے انسانی تربیت کے ذمہ دار ہیں یعنی معاشرتی ماحول، تعلیمی ادارے، والدین، اساتذہ اور حکمران وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں--- بچے خودرو پودوں کی طرح پروان چڑھتے ہیں اور کسی راہنما کے بغیر شاہ راہِ زندگی پر چلتے ہوئے نفس وشیطان کے بہکاوے کا شکار ہو کر مادی آسائشوں اور دنیاوی راحتوں کو ہی اپنی حقیقی منزل سمجھ لیتے ہیں---

ان سطور کی مدد سے تربیتی عمل کے ذمہ داروں کو اپنے فرائض کی بجا آوری کی پرزور اپیل کرتے ہوئے ہم حکمرانوں سے بالخصوص عرض پرداز ہیں کہ وہ سادہ زندگی کو فروغ دینے کے لیے خود بھی پرتعیش زندگی سے دست بردار ہوں اور قوم میں مالی مسابقت کا رجحان پیدا کرنے والے ذرائع پر بھی پابندیاں عائد کریں، ورنہ ان برائیوں کو ختم کرنا ممکن نہیں ہوگا، جو فتنہ مال کے باعث پیدا ہو رہی ہیں اور سطور بالا میں جن کی نشان دہی کی گئی ہے---

نورالحبیب کے ادارتی صفحات کی وساطت سے عوام الناس کو بھی فتنہ مادیت سے بچنے کا مشورہ دیتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ:

۱ مال و دولت کے حصول کے لیے صرف جائز ذرائع اختیار کریں کیوں کہ بحیثیت مسلمان اس بات پر ہمیں پختہ یقین ہونا چاہیے کہ ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت دنیاوی راحت و آسائش کا باعث نہیں ہو سکتی جب کہ اس سے آخرت کی تباہی تو ناگزیر ہے---

۲ مال و دولت کی کثرت اور وسائلِ راحت کی فراوانی برتری کا معیار نہیں بلکہ ایمان، عملِ صالح اور اعلیٰ سیرت و کردار ہی انسانی زیور ہیں---

۳ مال و دولت میں اور کوئی خرابی نہ بھی ہو تو کیا یہ کم برائی ہے کہ اس میں وفا نہیں--- اگر زندگی بھر ساتھ رہے تو بھی موت کی تلوار سر پر لٹک رہی ہے اور اسے بہر صورت چھوڑنا پڑے گا، لہٰذا ایسی بے وفا چیز سے دل لگانا کہاں کی عقل مندی ہے؟---

۴ تمام دنیاوی لذتوں کا محشر میں حساب و کتاب چکانا پڑے گا، لہٰذا یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسباب تعیش کی کثرت کامیابی کا زینہ ہے، کل جب محشر میں کھاتے کھلیں گے تب معلوم ہوگا کہ

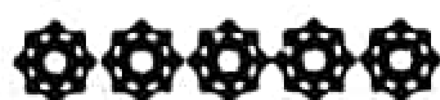
غریب اور مفلس کتنے ہلکے پھلکے اور کتنی آسانی میں ہوں گے---

ان گزارشات کی تائید و توثیق اور قارئین کو فتنۂ مادیت سے خبردار کرنے کے لیے غم خوارِ انسانیت حضور سید المرسلین ﷺ کے چند ارشادات بلا تبصرہ پیشِ خدمت ہیں:

- انسان کو اگر سونے سے بھری ایک وادی دے دی جائے تو وہ چاہے گا کہ ایسی ہی ایک اور وادی مل جائے، اگر دوسری بھی دے دی جائے تو ایسی ہی تیسری وادی کی خواہش کرے گا، حقیقت میں آدمی کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے---[بخاری، کتاب الرقاق]
- بے شک یہ مال خوش نما اور دل پسند ہے مگر جو اسے اچھی نیت کے ساتھ لے تو اس کے لیے اسے بابرکت بنا دیا جاتا ہے اور جو اسے حرص و لالچ سے لے گا تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں دی جاتی---[حوالہ سابقہ]
- زیادہ مال و دولت والے روزِ قیامت کم نیکیوں والے ہوں گے، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اسے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے خرچ کرے اور اس کے ذریعے نیکی کمائے---[حوالہ سابق]
- تونگری مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں، تونگری تو یہ ہے کہ دل غنی ہو---[حوالہ سابق]
- انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تمہارا مال صرف وہ ہے جو تم نے صدقہ کر کے آگے بھیج دیا یا کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا---[ترمذی، ابواب الزہد]
- اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو جیسا کہ اس پر بھروسا کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق ملے جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں---[حوالہ سابق]
- فقراء مال داروں سے پانچ سو سال یعنی آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے---[حوالہ سابق]

آخر میں اکبر کا ایک شعر پڑھ لیجیے:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے



گالی---فساد کی جڑ اور بدترین گناہ

حافظ محمد زاہد

زبان کا بے ہودہ، غلط اور ناجائز استعمال خواہ کسی بھی شکل میں ہو ''گالی'' کہلاتا ہے۔

عربی زبان میں گالی کو ''سب اور شتم'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی اہل لغت نے یہ بیان کیے ہیں:

''کسی دوسرے کے سامنے وہ بات کرنا جو اسے ناپسند ہو''---

اردو لغت کے مطابق گالی بدزبانی اور فحش گوئی کا نام ہے۔ دین اسلام میں گالی کو سنگین جرم اور ایک بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ بے شمار معاشرتی برائیوں مثلاً لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت جیسی مذموم خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔ اسلام نے جہاں دوسری برائیوں کی مذمت بیان کی ہے، وہیں گالی کی مذمت میں بھی سخت روش اختیار کی ہے اور اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

گالی گلوچ منافق کی نشانی

نبی کریم ﷺ نے گالی گلوچ کو بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت میں منافق کی ایک نشانی قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''منافق کی چار نشانیاں ہیں: ① جب بولے، جھوٹ بولے--- ② وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے--- ③ امین بنایا جائے تو خیانت کرے--- اور ④ جب جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے''---

گالی میں پہل کرنے والا گناہ گار ہوگا

اسلام کا ایک اصول یہ ہے کہ جس پر جتنی زیادتی کی گئی ہے وہ اس کے بقدر بدلہ لے سکتا ہے۔

اس صورت میں سارا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا، جب تک کہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔ یہی اصول گالی گلوچ میں بھی لاگو ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں تو گناہ ابتدا کرنے والے پر ہی ہوگا، جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے''---[مسلم]

گالی کا جواب گالی سے دینے کی ممانعت

ایک طرف تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا تو دوسری طرف اخلاقی طور پر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ گالی کا جواب گالی سے نہ دیا جائے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک بار رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبان درازی کی اور انہیں ایذا پہنچائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس نے پھر دوسری بار ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف دی تو بھی وہ چپ رہے۔ اس نے تیسری بار بھی تکلیف پہنچائی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے جواب میں کچھ کہہ دیا۔ جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ پر ناراض ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اور وہ اس تکلیف پہنچانے والے کی تکذیب کرتا رہا، جب تم نے اسے جواب دیا تو درمیان میں شیطان آپڑا، لہٰذا جہاں شیطان آپڑے تو میں وہاں بیٹھنے والا نہیں ہوں''---[سنن ابی داؤد]

گالی نیکیوں کے ضیاع کا باعث

قیامت کے دن نیکیاں انسان کا واحد سرمایہ ہوں گی اور انسان ان کے بدلے جنت کی آرزو لگائے بیٹھا ہوگا، مگر گالی گلوچ کرنے والے شخص پر صد افسوس! کہ اس کی نیکیاں قیامت کے دن اس شخص کو دے دی جائیں گی جس کو اس نے بلاوجہ گالی دی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو ''مفلس'' قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال اسباب نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز، روزے، زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا لیکن اس آدمی نے

دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا"---[مسلم]

مسلمان کو گالی دینا فسق ھے

اسلام واحد مذہب ہے جو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھتا ہے۔ اسلام نے ویسے تو کسی کو بھی گالی دینے کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن کسی مسلمان کو گالی دینا فسق یعنی بہت سخت گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے"---[صحیح بخاری]

ماں باپ کو گالی دینا

حقوق العباد میں والدین کے حقوق کی بہت اہمیت ہے، اس لیے والدین کو گالی نکالنے کا گناہ بھی بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"بڑے گناہ یہ ہیں کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے (جب کہ بخاری شریف کی روایت میں گالی کے بجائے لعنت کرنے کا ذکر ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کوئی آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور کوئی کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے"---[مسلم]

آج کل تو معاشرے میں ایسے بدبخت بھی موجود ہیں جو براہ راست اپنے والدین کو گالیاں نکالتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ ان بدبختوں کا کیا حال ہوگا؟

زمانہ یا دن کو برا بھلا کھنے کی ممانعت

ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہوگئی ہے کہ جس دن کسی کو کوئی نقصان ہوتا ہے، تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے: "آج کا دن ہی برا ہے" حالاں کہ زمانہ یا دن کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ابن آدم زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، حالاں کہ (خالقِ) زمانہ تو میں ہی ہوں۔ میرے ہی قبضہ قدرت میں تمام امور ہیں اور میں رات اور دن کو گردش دیتا ہوں"---[صحیح بخاری]

ملازم کو گالی دینے کی ممانعت

آج کے جدید تہذیب یافتہ معاشروں میں مالک کا ملازم کے ساتھ گالی گلوچ کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ ملازم کو اس پر بڑی کوفت ہوتی ہے مگر وہ ملازمت چلے جانے کے ڈر سے دل ہی دل میں خون کے آنسو پی کر صبر کر جاتا ہے۔ ہادیٔ عالم ﷺ کا اسوہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے اوران کی دس سال تک خدمت کرنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی اور اللہ کی قسم آپ نے نہ مجھے کبھی گالی دی اور نہ مجھے کبھی اف تک کہا''---

مردے کو گالی دینے کی ممانعت

اسلام کی حقانیت کا ایک اور ثبوت ملاحظہ کیجیے کہ اسلام نے زندوں کے ساتھ مردوں کو بھی گالی نکالنے اور ان کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں دو گناہ ہیں: ایک مردوں کے متعلقین کو تکلیف دینے کا اور دوسرا مردوں کو گالی دینے کا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مردوں کو گالی نہ دو کیوں کہ اس سے زندہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے''---[ترمذی]

لعن طعن (لعنت) کرنے کی ممانعت

اسلام نے جہاں گالی سے منع کیا ہے وہیں لعن طعن کرنے اور کسی پر لعنت کرنے سے بھی باز رہنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ لعنت بھی ایک گالی ہے اور میرے علم کے مطابق یہ بدترین گالی ہے۔ اس لیے کہ لعنت کا مطلب ہے: کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا دینا۔ اب آپ خود سوچیں کہ کسی شخص کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا دینا کتنی بڑی گالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نہ تم لعنت (بددعا) کرو اللہ کی لعنت کے ساتھ اور نہ اس کے غضب کے ساتھ اور نہ آگ کے عذاب کے ساتھ''---[ترمذی]

نبی اکرم ﷺ کا غصے میں طرز عمل

انسان اپنی فطرت کے مطابق کبھی غصہ میں آ جاتا ہے اور کبھی آپے سے بھی باہر ہو جاتا ہے، ایسے تمام مواقع پر ہمیں چاہیے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھیں۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ گالی گلوچ کرنے والے، بدگوئی کرنے والے اور لعنت کرنے والے نہ تھے۔ ہم میں سے کسی پر اگر کبھی ناراض ہوتے تو فرماتے: اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو''---

غصے اور گالی گلوچ سے بچنے کا طریقہ

نبی کریم ﷺ نے ہمیں غصے اور گالی گلوچ سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے گالی گلوچ کیا، تو ان میں سے ایک شخص کی آنکھیں غصہ کے مارے لال پیلی ہو گئیں اور اس کی باچھیں پھولنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے اور وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہے"۔۔۔

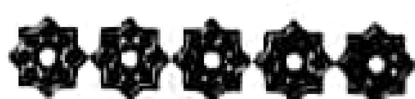
خلاصہ کلام

ہمارے معاشرے میں گالی گلوچ کا استعمال زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے اور لوگوں نے گالی کو کئی طرح سے اپنی گفتگو کا حصہ بنالیا ہے۔

1. بعض لوگوں نے گالی کو اپنی عادت بنالیا ہے کہ ہر بات پر گالی دینا ان کی گفتگو کا لازمی حصہ ہے اور اس کے بغیر ان کی گفتگو پوری نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اگر گالی سے روکا جائے تو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ گالی ہماری عادت بن گئی ہے، اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔
2. بعض لوگ مزاحاً گالی دیتے ہیں اور سننے والے کی غیرت بھی شاید مزاح میں "مر" جاتی ہے اور اس طرح مزاح میں گالی دینے سے کسی کو کوئی عیب محسوس نہیں ہوتا، نہ گالی دینے والے کو نہ اسے جسے گالی دی جا رہی ہے۔ حالاں کہ ماں بہن کی گالی پر انسان کا غصے میں آنا فطرتی بات ہے۔
3. بعض لوگ غصے کی حالت میں گالی گلوچ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر ان سے گالی نہ دینے کی بات کی جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے کنٹرول نہیں ہوتا، حالاں کہ نبی کریم ﷺ نے غصے کو کنٹرول کرنے کا طریقہ بتایا ہے، جو ماقبل بیان ہو گیا ہے۔
4. بعض لوگ گالی دینے کو اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے ملازموں کو گالی نہ دیں تو وہ کام نہیں کرتے حالاں کہ نبی کریم ﷺ نے ملازم کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔

الغرض! ہمارے معاشرے میں گالی عام گفتگو کا حصہ بنتی جا رہی ہے اور لوگ اس طرف توجہ نہیں دیتے کہ یہ گالی گلوچ فساد کی جڑ اور بدترین گناہ ہے، جسے کسی بھی طور پر اپنی گفتگو کا حصہ بنانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔

آمین یا رب العٰلمین!



تحمل و بردباری کو اپنائیے

پروفیسر خلیل احمد نوری

تحمل، دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں اور سختیوں کو سہنے اور ان پر صبر کرنے کا نام ہے۔ یہ اعلیٰ انسانی وصف ہے اور ان اخلاق حسنہ میں سے ایک ہے جن کی بدولت انسانی سیرت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ تاریخ میں جتنے باکمال اور بلند پایہ انسان گزرے ہیں، وہ اس صفت سے لازمی طور پر مالا مال تھے۔ خاص طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس خوبی سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، کیوں کہ انسانیت کو سدھارنے اور راہ حق دکھانے کے لیے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے لیے تحمل و بردباری اور قوت برداشت کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ چوں کہ دنیا کا کوئی کام انسانوں کی اصلاح کے کام سے بڑھ کر مشکل نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو تمام انسانوں سے زیادہ متحمل اور بردبار بنایا تھا۔

ہمارے موجودہ معاشرے میں جن اعلیٰ اقدار کی کمی دیکھنے میں آتی ہے، تحمل اور بردباری ان میں سے نمایاں ترین قدر ہے۔ بالعموم ہم دوسروں کے عقائد و نظریات اور ان کے اقوال و اعمال کو برداشت کرنے میں بہت کمزور واقع ہوئے ہیں اور مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ہم میں رواداری اور برداشت کا مادہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم خود پر کسی کی تعمیری

تنقید بھی سننا گوارا نہیں کرتے، جب کہ اوروں کی ہر خامی اور غلطی پر تنقید سے بڑھ کر ان کی تنقیص کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں، بلکہ بزور بازو ان کی اصلاح کرنا اپنا فرض اولین اور عبادت قرار دیتے ہیں۔ اکثر مشاہدے میں آتا ہے کہ جہاں چند افراد اکٹھے ہوں، مذہبی اختلافات کی بحث چھڑ جائے گی اور کوئی شخص شدت پسندی میں اپنے مخالف کو کافر سے کم درجہ دینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ یہی حال سیاسی میدان میں دکھائی دیتا ہے، ہر جماعت اور سیاسی فرد، دوسری جماعتوں اور افراد کو غدار وطن قرار دینے کے لیے دلائل دیتی دکھائی دے گی۔ بات بات پر الجھنا، خفا ہونا، ہر وقت غصے کی حالت میں رہنا، لڑنے مارنے پر تل جانا اور معمولی باتوں پر ایک دوسرے کو قتل کر دینا آج کی مادیت زدہ معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ عدم برداشت کی کیفیت نے کئی ایسی بیماریوں کو جنم دیا ہے جنہوں نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ مثلاً بلڈ پریشر، اضطراب، چڑچڑے پن اور ڈپریشن جیسی بیماریاں جو کئی دیگر بیماریوں کا باعث بن رہی ہیں۔

اسلام نے ہمیں تحمل و بردباری کا سبق دیا ہے اور اس صفت کو اپنانے کی بہت تلقین کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ---[الشوریٰ:۴۳]

"وہ شخص جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا، یقیناً یہ بات ہمت کے کاموں میں سے ہے"---

اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جسے جھٹلایا نہ گیا ہو، جسے ستایا نہ گیا ہو اور جس کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو، لیکن ان باہمت اور تحمل کے پیکر انسانوں نے گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا اور نہ ہی دل برداشتہ اور ناراض ہو کر انسانیت کی بھلائی، خیر خواہی اور ہم دردی سے منہ موڑا بلکہ اذیت پہنچانے والوں کی فلاح اور حسن عاقبت کی کوششوں میں لگے رہے۔ قرآن حکیم میں ان اولوالعزم رسولوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی مکرم ﷺ کو ان کے راستے پر چلتے رہنے کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ---[الاحقاف:۳۵]

"پس آپ بھی اسی طرح صبر کرتے رہیے، جس طرح دیگر باہمت رسولوں نے کیا"---

ناموافق صورت حال پر غصہ آنا فطری امر ہے، لیکن حالت غصہ میں خود کو قابو میں رکھنا اور دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دینا قابل تعریف صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ

الْمُحْسِنِیْنَ---[آل عمران: ۱۳۴]

''غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے، اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند فرماتا ہے''---

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ---[الاعراف:۱۹۹]

''عفو و درگزر کو اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ موڑ لو''---

ہماری معاشرتی زندگی میں یہ تصور عام ہے کہ مخالف کی مخالفت کا برابری کی سطح پر ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر جواب دیا جائے۔ یعنی ''اینٹ کا جواب پتھر سے'' اور ''سیر کے مقابلے میں سوا سیر''۔ لیکن ہمارا دین ان تصورات کی بالکل نفی کرتا ہے۔ قصاص یعنی زیادتی کا بدلہ لینے کی اجازت ہے مگر معاف کر دینا اور برائی کے جواب میں بھلائی بڑے پن کی بات ہے، اسی سے برائی کا خاتمہ ممکن ہے اور اسی سے نفرتوں کو ختم کر کے باہمی محبتوں کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

''نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتے۔ برائی کو ایسے طریقے سے ختم کر جو اچھا ہو، تب وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہو، ایسے ہو جائے گا گویا کہ گہرا دوست ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو صبر مند ہوتے ہیں اور ان کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والے ہوتے ہیں''---[حم السجدہ:۳۴-۳۵]

مذکورہ آیت میں رنجشوں کے خاتمے کا مثالی طریقہ بیان ہوا ہے۔ لوگ دشمن کو ختم کرنے اور مخالفوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے طریقے اختیار کرتے ہیں، اسلام دشمن کو نہیں، دشمنی کو مٹانے اور دوستی قائم کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ یعنی لوگوں کی غلطیوں اور زیادتیوں پر انہیں سزا دینے کے بجائے درگزر سے کام لیا جائے، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اختیار کی جائے اور سنگ دلی کے مقابلے میں نرمی برتی جائے۔ جو نقصان کرے اسے فائدہ پہنچاؤ، جو اذیت دے اس کے لیے راحت رسانی کا اہتمام کرو اور کانٹے بچھانے والوں کو پھول پیش کرو۔ یہ ہے وہ نسخۂ کیمیا جس سے دشمن مسخر ہو کر گہرا دوست بن جائے گا۔ کاش! غصے میں بھری ہوئی جماعتیں اور دنیا کی برتر طاقتیں دشمنی کو دوستی میں بدلنے کا یہ اصول اپنا لیں۔ اس سے ان کی خواہش بھی پوری ہو جائے اور دنیا بھی امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

اس آیت میں بطور خاص ان لوگوں سے خطاب ہے جو دعوت الی اللہ کا عظیم کام کر رہے ہوں۔ چوں کہ اسلام کی اشاعت کے کاموں میں قدم قدم پر اکھڑ اور ضدی لوگوں سے واسطہ

پڑتا ہے، ایسے میں تحمل مزاجی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ آج کل اس راہ کا انتخاب کرنے والوں کی اکثریت برداشت کی صفت سے محروم ہے۔ اسی لیے مذہبی قوتوں کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع ہوتی جارہی ہے اور ملک کا چپہ چپہ خون کے دھبوں سے رنگین دکھائی دیتا ہے۔

انسان کی مشکل یہ ہے کہ اس کے نزدیک جیت صرف اس چیز کا نام ہے کہ وہ دشمن پر غالب آجائے اور مخالف اس کی قوت وطاقت کا لوہا مان لیں، لیکن نبی برحق ﷺ نے طاقت وری کا معیار یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دشمن کی اشتعال انگیزی کے وقت غصے کی بھڑکتی ہوئی آگ پر قابو پالیا جائے۔ فرمایا:

"طاقت ور وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے، طاقت ور وہ ہے جو غصے کی حالت میں خود کو قابو میں رکھے" --- [بخاری، کتاب البر و الصلۃ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ایک آدمی نے حضور سرور عالم ﷺ سے عرض کیا، مجھے نصیحت فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو" انہوں نے کئی بار اپنا یہی سوال دہرایا، ہر بار ارشاد ہوا "غصہ نہ کیا کرو" --- [بخاری، کتاب الادب]

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے اور انتقام لینے میں بڑائی نہیں۔ بڑائی اس بات میں پوشیدہ ہے کہ کوئی شخص قدرت کے باوجود غصہ تھوک کر دشمن کو گلے لگا لے۔ دیکھا جائے تو غصے کی کیفیت خود انسان کے لیے نقصان کا باعث ہی بنتی ہے۔ کیوں کہ غصے کی حالت میں انسان غور وفکر کی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اکثر نارمل آدمی کی طرح سوچنے اور کسی کام کے لیے درست قدم اٹھانے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسے وقت میں کیے گئے فیصلے اور کہی ہوئی باتیں بعد میں اکثر پچھتاوے کا باعث بنتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تحمل مزاجی اور بردباری کتنی بڑی نعمت ہے اور اس سے محرومی کتنا بڑا نقصان ہے۔ اس حقیقت کا پورے طور پر ادراک کرنا ہو تو کسی دینی مدرسے کے دارالافتاء کے ریکارڈ کا مطالعہ کر لیجیے، جہاں روزانہ بڑی تعداد میں غصے میں دی گئی طلاقوں کے بارے میں سوالات موصول ہوتے ہیں، جن کے ذریعے غصے میں کیے گئے اس فیصلے کو کسی شرعی حیلہ سازی کے ذریعے بدلنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ حالاں کہ کسی عالم و مفتی کے پاس شرعی حکم کو بدلنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ چناں چہ اشتعال انگیزی میں بیک وقت تین طلاقوں کی گولی چلانے کے بعد جب کسی نوجوان کو نتائج کا پتا چلتا ہے تو اس کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ عدم برداشت کی اس کیفیت اور انا کی تسکین نے نہ جانے کتنے ہنستے بستے گھرانوں کو اجاڑ کر

رکھ دیا ہے اور کتنے معصوم بچوں کو ماؤں کی مامتا اور باپ کی شفقتوں سے محروم کر دیا ہے۔ کاش! اہم اور بڑے فیصلے کرتے وقت ہم تھوڑی دیر صبر کر لیں اور غصے کی آگ ٹھنڈی ہونے پر معاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کوئی اقدام کریں تو بعد میں پچھتاوا مقدر نہ بنے۔

قصوروار کو سزا دینے اور دشمن سے انتقام لینے کی قوت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لیکن پھر بھی وہ بندوں کے جرموں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کو معاف فرما دیتا ہے، کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو تحمل اور بردباری کی صفت سے متصف کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ﴿و اللّٰہ غفور حلیم﴾ کے الفاظ آئے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ وہ بخشنے والا، بردبار ہے۔ یعنی اس کی بخشش اس کی بردباری کی صفت کا نتیجہ ہے۔ کئی مقامات پر ﴿و اللّٰہ علیم حلیم﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ علم والا، بردبار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کے جرائم کا علم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تحمل و بردباری سے کام لیتا ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ وہ اپنی نوازشوں کے دروازے دشمنوں اور دوستوں کی تمیز کیے بغیر سب پر کشادہ کیے رکھتا ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں ہے:

"بری باتیں سن کر تحمل و صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں یعنی اتنی بڑی گالی دیتے ہیں مگر وہ ان کو رزق اور عافیت عطا فرماتا ہے"---[ابن کثیر، البقرہ: ۱۱۶، بحوالہ صحیحین]

اسلام نے افرادِ معاشرہ کے بہت سے حقوق ہم پر عائد کیے ہیں اور ان کو ادا کرنے کی سخت تاکید کی ہے، یہاں تک کہ اپنے حقوق معاف فرما دینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے مگر بندوں کے حقوق کا معاملہ ایک دوسرے پر چھوڑ دیا ہے، یعنی جب تک بندے آپس میں تصفیہ نہیں کر لیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی نہیں ہوگی۔ غور کیا جائے تو حقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی تحمل و بردباری کی شدید ضرورت پیش آتی ہے۔ کیوں کہ رشتے داروں، پڑوسیوں اور دیگر اہل حقوق کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں پر صبر کیے بغیر یہ ممکن نہیں کہ ان سے حسن سلوک کا رویہ اپنایا جائے اور ان کے حقوق ادا ہو سکیں۔ شاید اسلامی عبادات کا بھی یہی فلسفہ ہے کہ ان کے ذریعے ہمیں ایک دوسرے کی سختیوں کو برداشت کرنے کی عملی تربیت دی جاتی ہے۔ مثلاً نماز باجماعت کے لیے مل جل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے تا کہ کندھے سے کندھا ملے اور ایک دوسرے کے لیے اپنے پہلوؤں کو نرم رکھیں اور اگر کوئی نمازی سخت رویہ اپنائے تو اسے بھی برداشت کر لیں، یوں ہی رشتہ داروں اور گرد و پیش رہنے والوں کو زکوٰۃ ادا کرتے وقت ان کی

طرف سے کی گئی زیادتیوں کو فراموش کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مناسک حج ادا کرتے وقت حوصلہ مندی اور قوت برداشت کا سخت امتحان ہوتا ہے۔ قدم قدم پر لوگوں کے جاہلانہ طرز عمل سے واسطہ پڑتا ہے، مگر حکم یہ ہے کہ احرام کی حالت میں خاص طور پر کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے۔ اس عملی تربیت کا تقاضا ہے کہ ہمارے دلوں میں لوگوں کے لیے نرمی اور حسن سلوک کے جذبات پیدا ہوں۔ افسوس! کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی سخت مزاجی کا فخریہ اظہار کرتے ہیں اور اس بری عادت کو اپنے طرز زندگی کا حسن و کمال سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ تحمل و بردباری اور درگزر کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہی وصف ہمارے پیارے رسول ﷺ کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی بلکہ یوں کہیے کہ اس اعلیٰ وصف میں آج تک آپ کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے ذاتی ناراضی کی وجہ سے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا۔ آپ کو صرف اسی وقت غصہ آتا جب کوئی اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو پامال کرتا۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ]

رسول اکرم ﷺ طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے سرداروں نے بڑی بدتمیزی اور اکھڑپن سے دعوت اسلام کو ٹھکرا دیا، ان سنگ دلوں نے امام الانبیاء ﷺ پر سنگ زنی کی۔ اس کے باوجود ان کے خلاف دعا کرنے کے بجائے ان کو دعاءِ ہدایت سے نوازا۔ غزوۂ احد میں آپ کے دانت مبارک جھڑ گئے، چہرۂ انور خون سے رنگین ہو گیا اور آپ بہت ہی غم زدہ ہوئے مگر اس سراپا رافت و رحمت نے یہی دعا کی کہ اے اللہ! ان کو بخش دے، کیوں کہ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ یعنی نہ صرف کفار سے درگزر فرمایا، بلکہ کفار کی ان نامعقول حرکتوں پر ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر بھی پیش کر دیا کہ یہ لوگ دین حق کو اور میرے منصب کو پہچانتے نہیں ہیں۔

ایک شخص نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ پر اعتراض کیا اور کہا کہ عدل کیجیے، کیوں کہ آپ کی تقسیم رضاء الٰہی کے مطابق نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی اس جاہلانہ اور نازیبا گفتگو پر صرف اتنا فرمایا، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ اگر میں انصاف نہیں کرتا تو بہت خسارے میں ہوں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس گستاخ منافق کو قتل کرنا چاہا تو شمع رسالت کے پروانوں کو روک دیا گیا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے، ان کو اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی، لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا۔ [کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف]

حضور رسول مقبول ﷺ پر ولید بن اعصم اور اس کی بیٹیوں نے جادو کیا، جس سے آپ کی

طبیعت ناساز رہی مگر علم ہونے کے باوجود مواخذہ نہیں فرمایا۔ ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر ملا گوشت کھلانا چاہا، اس نے اقرار جرم کر لیا تھا مگر اسے بھی سزا نہ دی۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافقانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے، وہ اپنے قول و فعل سے ہر طرح اذیت پہنچاتے رہے، ان میں سے بعض قتل کرنے کی سازش میں ملوث پائے گئے، مگر جب بھی کسی صحابی نے کسی منافق کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، فرمایا: لوگ طعنہ دیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ تھا اور آپ نے موٹے بارڈر والی چادر اوڑھ رکھی تھی، ایک اعرابی نے آپ کی اس چادر کو زور سے کھینچا جس کے باعث گردن مبارک پر نشان پڑ گیا، اعرابی کہنے لگا کہ "اے محمد! میرے ان اونٹوں کو مال سے بھر دو، تم کچھ اپنے باپ کے مال سے تو نہیں دو گے"۔ اعرابی کی اس بدسلوکی پر آپ ﷺ خاموش رہے، فرمایا تو صرف اتنا کہ واقعی مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ پھر حکم فرمایا کہ اس کے اونٹوں کو جو اور کھجوروں سے لاد دو۔

اسلام لانے سے پہلے حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو قرض دیا تھا، مقررہ تاریخ سے پہلے آ کر قرض کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے نہایت برہمی اور سخت کلامی سے پیش آئے اور کہنے لگے "اے عبدالمطلب کی اولاد! تم لوگ بہت نادہندہ واقع ہوئے ہو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے، وہ نہایت برہم ہو کر دیکھنے لگے اور قتل کی اجازت مانگی۔ فرمایا "اے عمر! تمہیں تو چاہیے تھا کہ اسے خوش اسلوبی سے مانگنے کی تلقین کرتے اور مجھے اچھی طرح ادا کرنے کا کہتے"۔ پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر دو اور بیس صاع (گندم وغیرہ ناپنے کا پیمانہ) اسے زیادہ دینا، کیوں کہ تم نے اسے دھمکایا ہے۔ حضور ﷺ کی اس بردباری کو دیکھ کر اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت زید بن سعنہ مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ میں نبوت کی تمام نشانیاں دیکھ لی تھیں، لیکن دو نشانیاں باقی تھیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ کے تحمل و بردباری پر جاہلانہ رویہ غالب نہیں آ سکتا اور دوسرا یہ کہ آپ کے ساتھ جتنا جاہلانہ سلوک کیا جائے اتنا ہی آپ ﷺ کے تحمل میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس میں نے یہ نازیبا سلوک اس لیے کیا کہ آپ کو ان دونوں میں آزما لوں، آپ ﷺ ان پر پورے اترے۔ [الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ]

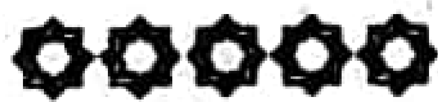
قرآن و سنت کی یہ تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمیں سخت مزاجی کے بجائے نرم مزاجی، خفگی کے بجائے بردباری اور انتقامی رویے کی جگہ عفو و درگزر کا سبق دیتا ہے۔ یہ طرز عمل

اللہ تعالیٰ کے ہاں تو پسندیدہ ہے ہی، اس وصف سے آراستہ انسانوں میں بھی ہر دل عزیز اور مقبول ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس سخت مزاج اور عدم برداشت کا رویہ رکھنے والا آدمی عیب دار چیز کی طرح عوام الناس کی نظروں میں حقیر اور قابل نفرت بن جاتا ہے۔

موجودہ دور میں جب کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بہت سے مذہبی اور سیاسی اختلافات رکھتے ہیں۔ معاشرتی حوالوں سے مختلف طبقات اپنے اپنے مفادات کے اسیر ہیں اور کسی دوسرے گروہ کی دخل اندازی کو پسند نہیں کیا جاتا، نیز معاشی مسائل کی وجہ سے لوگوں میں باہمی تنازعات کا جنگل آباد ہو چکا ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرتوں کے لاوے ابل رہے ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کی ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔ خصوصاً اہل علم اور دینی پیشواؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے عمل و کردار سے اس سنت نبوی کو زندہ کریں اور دینی و سیاسی نظریات میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو جینے کا حق دیں۔ یہ اسلامی ملک جسے اللہ اور اس کے رسول (ﷻ و ﷺ) کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اس میں عبادت گاہوں میں قتل و غارت گری اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی اور ہمارے لیے لائق شرم ہے۔ اسی طرح سیاست دانوں اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت نرم مزاجی اور رواداری کا رویہ اپنائیں۔ مخالفوں کے ساتھ الجھنے کے بجائے ان کے قابل اعتراض طرز عمل کی مثبت انداز میں توجیہ کریں اور ان کے لیے رعایت کا پہلو تلاش کریں۔ جو شخص دوسروں کی غلطیوں سے درگزر نہیں کرتا بلکہ انہیں ہر صورت میں سزا دینا ضروری خیال کرتا ہے وہ اپنی غلطیوں پر معافی اور درگزر کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ آخر ایک روز ہم نے اس بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جہاں ہر شخص اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ اسے رعایت دی جائے اور اس سے معافی اور درگزر کا معاملہ کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کی جانب سے معافی کا وہی استحقاق رکھتا ہے جو دوسروں کی غلطیوں کو برداشت کرنے اور معاف کر دینے کا عادی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے:

وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ---[النور:۲۲]

”اور چاہیے کہ معاف کر دیا کریں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرما دے“۔



مزاحِ لطیف

ابنِ منظور ملک

ایسا مزاحِ لطیف، جس میں نہ کذب ہو، نہ فحش کلامی، نہ کسی کی ایذا رسانی، شریعت میں جائز و محمود ہے، بلکہ سنت بھی ہے اور ایسا مزاح جس کا مقصد محض تفریحِ قلب اور خوش طبعی ہو، اکابرِامت سے بکثرت منقول ہے، بلکہ حضرات صحابہ کرام ﷡ اور حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔

● جیسا کہ روایت ہے کہ ایک صحابی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے سواری کے لیے ایک اونٹ عنایت فرمائیے''---

حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں تم کو ایک اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا''---

صحابی نے حیران ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے پر کس طرح سوار ہوں گا؟''---

حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آخر اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے''---(سبحان اللہ)

● اسی طرح ایک بوڑھی عورت نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر جنت کے بارے میں سوال کیا تو حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

''کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی''---

یہ سن کر وہ بڑھیا فکر مند ہوگئی، تو حضور انور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''دنیا کی کوئی عورت بوڑھی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی، بلکہ جوانی کی حالت میں جنت جائے گی''---

یہ سن کر بڑھیا کی فکر دور ہوگئی اور وہ خوش ہوگئی۔

● اسی طرح حضور ﷺ نے محض تفریح اور خوش طبعی کے طور پر ایک مرتبہ ''یَا ذَا الْاُذُنَیْنِ'' (اے دو کانوں والے) کہہ کر پکارا۔

● ایک انصاری عورت دربارِ رسالت میں حاضر ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''تم جاؤ اور اپنے شوہر سے ملاقات کرو، اس کی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے''---

یہ سنتے ہی وہ عورت گھبرائی ہوئی، دوڑتی بھاگتی اپنے شوہر کے سامنے کھڑی ہوگئی اور اپنے شوہر کی آنکھوں کو بغور دیکھنے لگی۔ شوہر نے عورت کی گھبراہٹ اور توحش و پریشانی کو تاڑتے ہوئے دریافت کیا کہ خیر تو ہے؟ تمہاری اس وحشت اور گھبراہٹ کا کیا سبب ہے؟ عورت نے کہا کہ مجھے ابھی حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

''تم اپنے شوہر کے پاس جاؤ، اس کی دونوں آنکھوں میں سفیدی ہے''---

میں یہ سن کر گھبرائی ہوئی بھاگ کر آپ کو دیکھنے کے لیے آئی ہوں۔ یہ انصاری حضور ﷺ کے مزاج دان تھے، سمجھ گئے کہ حضور ﷺ نے تفریحِ طبع کے لیے مزاح فرمایا ہے۔ چناں چہ انھوں نے اپنی بیوی سے فرمایا:

''حضور ﷺ کا ارشاد بالکل بجا ہے، دیکھ لو میری آنکھوں میں سفیدی بھی ہے اور سیاہی بھی، پتلی سیاہ ہے اور آنکھ کے ڈیلے سفید ہیں''---

یہ سن کر عورت کو اطمینان و سکون ہوا۔

● مشہور اور بلند پایہ تابعی محدث ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ

کیا صحابہ کرام ﷺ بھی ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا:

''ہاں! باوجودیکہ ان صحابہ کرام ﷺ کے دلوں میں مضبوط اور بلند پہاڑوں جیسا ایمان مستقیم تھا، پھر بھی یہ لوگ تفریحِ طبع کے لیے ہنسی اور مزاح فرمایا کرتے تھے''---

صحابہ ﷺ میں حضرت نعمان ﷺ تو اس قدر مزاح پسند اور ہنسنے والے صحابی تھے کہ ان کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ یہ جنت میں بھی ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

- عطاء بن سائب کا بیان ہے کہ:

خیر التابعین اور سند المحدثین حضرت سعید بن جبیر تابعی ﷺ جب وعظ فرمایا کرتے تھے تو لوگوں پر خوف الٰہی سے ایسی رقت طاری ہو جاتی تھی کہ حاضرین زار و قطار رونے لگتے تھے، پھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ اخیر میں کوئی ایسا لطیفہ سنا دیا کرتے تھے کہ ہم سب سامعین ہنسنے لگتے۔

غرض اس قسم کے بہت سے لطیف مزاح حضورِ اقدس ﷺ، صحابہ کرام ﷺ اور تابعین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول و مروی ہیں۔ ہم یہاں پر محض اس نظریہ سے کہ مزاحِ لطیف کے ساتھ تفریح اور خوش طبعی کر لینا یہ علماء کی شان کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ادائے سنت کی نیت سے باعثِ اجر بھی ہے، علمائے سلف کی چند تفریحات کا ذکر کرتے ہیں تا کہ اس تاریخی حقیقت کی نقاب کشائی بھی ہو جائے کہ دَورِ اوّل کے علمائے حق کتنے خوش طبع تھے؟ اور دورِ حاضر کے ابجد ہوز قسم کے مولویوں کے لیے تازیانہ عبرت بھی ہو جائے، جو عام مسلمانوں پر اپنے تقدس کی دھونس جمانے کے لیے ''عبوساً قمطریرا'' کی ہیئت پر اپنے آپ کو تقدس و تقویٰ کا قطب مینار سمجھتے ہیں اور خوش طبع علماء کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے منہ میں دو چار لیموں نچوڑ دیے گئے ہوں۔

- امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے جلیل القدر تابعی اور امام الحدیث ہیں۔ پانچ سو صحابہ ﷺ سے ملاقات کی، ہزاروں باکمال محدثین یہاں تک کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں، مگر اس جلالتِ شان کے باوجود بہت ہی زندہ دل، نہایت ہی خوش مزاج اور بے حد باغ و بہار طبع کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ محدثین کی ایک جماعت آپ کی درس گاہ میں حاضر ہوئی، جس میں ایک ضعیف العمر بوڑھے آدمی بھی تھے، آپ نے بڑے میاں سے پوچھا:

''کیوں بڑے میاں! آپ کا پیشہ کیا ہے؟''---

بڑے میاں نے عرض کیا کہ میں رفوگر ہوں، پھٹے کپڑوں کو رفو کیا کرتا ہوں۔ امام شعبی نے فرمایا:

''میرے ہاں کوئی پھٹا کپڑا تو نہیں ہے مگر ایک ٹوٹا ہوا مٹکا ہے، کیا آپ اس مٹکے کو رفو کر سکتے ہیں؟''---

بوڑھا بھی بڑا دلچسپ اور حاضر جواب تھا، برجستہ کہا:

''ہاں! آپ ریت کا دھاگہ منگا دیجیے، میں آپ کے ٹوٹے ہوئے مٹکے کو ضرور رفو کر دوں گا''---

بوڑھے کا یہ جواب سن کر امام شعبی کو اس زور سے ہنسی آئی کہ وہ ہنستے ہنستے اپنی مسند پر لیٹ گئے۔[تذکرۃ الحفاظ، جلد ا، صفحہ ۸۱]

- امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں ایک بڑے میاں حاضر رہتے تھے۔ روزانہ پورے درس میں شریک ہو کر مسائل سنا کرتے تھے، مگر کبھی کچھ نہ بولتے تھے۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسف نے فرمایا:

''آپ کبھی کوئی سوال نہیں کرتے، ہمیشہ خاموش ہی کیوں رہتے ہیں؟''---

یہ سن کران بزرگ نے سوال کیا:

''اچھا بتائیے، کہ روزہ کب افطار کرنا چاہیے؟''---

آپ نے فرمایا:

''جب سورج غروب ہو جائے''---

یہ بزرگ بولے:

''اگر آدھی رات تک سورج غروب نہ ہو تو؟''---

بڑے میاں کا یہ سوال سن کر امام ابو یوسف ہنس پڑے اور فرمایا:

''آپ کا خاموش رہنا ہی بہتر ہے''---[تبصرہ تاریخِ بغداد، صفحہ ۹۱]

- ایک اعرابی حضرت سفیان بن عیینہ کی درس گاہ میں برسوں درسِ حدیث میں حاضر ہوتا رہا، ایک دن امام ممدوح نے پوچھا:

''تم نے مجھ سے ہزاروں حدیثیں سنیں ہیں، یہ تو بتاؤ کہ تمھیں کون کون سی حدیث زیادہ پسند آئی''---

اعرابی نے جواب دیا: صرف تین حدیثیں، ایک تو

عن النبی ﷺ کان یحب الحلوی و العسل---

"یعنی نبی اکرم ﷺ حلوا اور شہد کو پسند فرمایا کرتے تھے"---

دوسری حدیث:

اذا وضع العشاء و حضرت الصلوة فابدوا بالعشاء---

"یعنی جب رات کا کھانا دسترخوان پر آجائے تو پہلے کھانا کھالینا چاہیے"---

تیسری حدیث:

لیس من البر الصیام فی السفر---

"یعنی سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے"---

اعرابی کا یہ جواب سن کر امام ممدوح اور حاضرینِ درس گاہ ہنس پڑے۔[مستطرف، جلد۲، صفحہ۲۲۶]

- ایک بدوی چور، جس کا نام موسیٰ تھا، کسی کی درہم بھری ہوئی تھیلی چرا کر مسجد میں گیا اور تھیلی ہاتھ میں لے کر آستین میں چھپائے ہوئے جماعت میں داخل ہوگیا۔ اتفاق سے امام صاحب نے الحمد کے بعد یہ آیت پڑھی ﴿و ما تلک بیمینک یا موسیٰ﴾ وہ تھیلی پھینک کر مسجد سے بھاگا اور کہا:

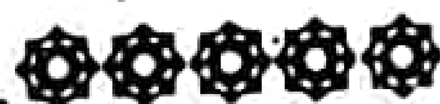
"اے امام! خدا کی قسم تو تو یقیناً جادوگر ہے"---[مستطرف، جلد۲، صفحہ۲۲۶]

- ایک مہمل گو شاعر نے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ کے پاس آکر پہلے اپنی مہمل اور بے تکی شاعری سے علامہ ممدوح کا دماغ چاٹ ڈالا اور آپ اَخلاقاً صبر کے ساتھ اس کے اَشعار سنتے رہے، پھر اس نے فخریہ لہجے میں کہا:

"رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور انھوں نے میرے منہ میں لعابِ دہن ڈالا"---

حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"تمھیں غلط فہمی ہوئی، وہ تمہارے منہ پر تھوکنے کے لیے آئے تھے، تم نے منہ کھول دیا اور تھوک منہ میں جا پڑا"---[علمی لطائف، صفحہ۱۰۵، روحانی حکایات]



رزق کمانے کا سلیقہ

علامہ سید عبدالرحمٰن بخاری

مجھے یہ بات کہنے میں ذرا بھی تردّد نہیں کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہماری تمام تر معاشی الجھنوں، پریشانیوں اور محرومیوں کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہے--- ہماری بد سلیقگی--- آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے سلیقہ سے محروم ہیں اور جس کے پاس سلیقہ نہ ہو، وہ دنیا میں زندہ رہنے کا حق کھو دیتا ہے--- سلیقہ کیا ہے؟--- زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامیابی حاصل کرنے کا راستہ--- اسے آپ نظامِ قدرت کہہ لیجیے یا اصولِ فطرت--- یہ قانون بھی ہے اور اخلاق بھی--- زندگی کے آداب ہوں یا شرائط--- تمدن کی اقدار ہوں یا سانچے--- اور دین کے احکام ہوں یا ضابطے--- سب اسی میں شامل ہیں اور سب کا مجموعہ ایک لفظ میں "سلیقہ" کہلاتا ہے---

زندہ رہنے کے لیے سلیقہ اتنی اہم اور بنیادی چیز ہے کہ انسان تو کیا اس کے بغیر ایک چھوٹے سے

چھوٹا جانور اور رینگنے والا کیڑا بھی اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا --- باغ اور کھیت تو ایک طرف جنگل کے خودرو پودے اور صحرا کی جھاڑیاں بھی سلیقہ ہی کی بدولت باقی رہتی اور پروان چڑھتی ہیں --- یہ تو پھر جان دار ہیں، اگر آپ کھلی آنکھوں سے دیکھیں تو سورج، چاند، ستاروں کی حرکت اور روشنی --- دن اور رات کے ادل بدل --- موسموں کے تغیر --- پانی کے بہاؤ --- بادل، بجلی اور کڑک --- ہواؤں کا رخ اور رفتار --- سمندر، صحرا اور پہاڑ --- زمین کی سطحوں، پرتوں اور جغرافیائی عوامل --- فضا، خلا اور ماحول کے طبیعی اور کیمیائی عناصر --- حد تو یہ کہ پتھروں کی ساخت، رنگت اور خصوصیات، غرض اس لامحدود کائنات کی ہر چیز اور ہر نظام میں ایک سلیقہ پایا جاتا ہے --- یہ کائنات خدا کی بنائی ہوئی ہے اور خدا نے اپنی کائنات کو سلیقہ سے بنایا اور سلیقہ سے چلا رہا ہے --- پھر بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز سلیقہ کھو دے اور زندہ رہے ---

سلیقہ ہو تو سب کچھ ملتا ہے

یہاں جس نے زندہ رہنا ہے، اسے جینے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا --- یہاں جس نے ترقی کرنی ہے، اسے ترقی کا سلیقہ جاننا ہوگا --- یہاں جس نے کامیابی حاصل کرنی ہے، اسے کامیابی کا سلیقہ اپنانا ہوگا --- اور یہاں جس نے رزق پانا ہے، اسے رزق کمانے کا سلیقہ برتنا ہوگا --- خدا کی اس دنیا میں کسی کو سلیقہ کے بغیر کچھ نہیں ملتا --- یہاں سلیقہ کے بغیر انسان مانگ تو بہت کچھ سکتا ہے، پا کچھ نہیں سکتا --- یہاں ایک بدسلیقہ آدمی بھاگ دوڑ تو بہت کر سکتا ہے، لیکن کوئی چیز لے نہیں سکتا --- کیوں کہ یہاں لینا کسی کے اختیار میں نہیں، سب کچھ خدا کے دینے سے ملتا ہے --- اور خدا کسی کو سلیقہ کے بغیر کچھ نہیں دیتا --- یہ اس کا اٹل قانون اور آخری فیصلہ ہے ---

سوال یہ ہے کہ خدا نے ایسا قانون کس لیے بنایا، اور یہ فیصلہ کیوں کیا ہے؟ --- دراصل اس کے بغیر نہ تو دنیا کو بنانے اور چلانے کا کوئی مقصد باقی رہتا ہے اور نہ آخرت کا کچھ فائدہ --- ذرا ایک لمحہ کے لیے سوچیے تو! اگر کائنات میں سے سلیقہ نکال لیا جائے تو کیا بچتا ہے؟ --- بے ہنگم، بدہیئت مخلوق کا ایک ہجوم ٹوٹے پھوٹے پتھر، ناہموار زمین، بے کیف ماحول، خراب موسم، بے ربط کائنات، بے معنی حرکت اور بے لطف زندگی، پھر ذرا تصور کیجیے، اگر دنیا کی حالت یہ ہوتی کہ جو مخلوق، جب اور جو کچھ چاہتی، اسے مل جاتا اور جس چیز کو جیسے چاہتی، برت لیتی، تو کیا اس دنیا کا انجام ایک ہولناک تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور ہو سکتا تھا؟ ---

پھر ذرا دیکھیے، اگر زندگی گزارنے کے لیے سلیقہ ضروری نہ ہوتا تو صحیح اور غلط، اچھے اور برے، فائدہ اور نقصان، حرکت اور سکون، فتح اور شکست، کامیابی اور ناکامی، غرض دو متضاد چیزوں میں فیصلہ کا معیار اور پیمانہ کیا ہوتا؟---سلیقہ ہی تو ہر چیز کا معیار ہے---دین، اخلاق اور قانون سب ہمیں سلیقہ ہی تو سکھاتے ہیں---تعلیم، تربیت اور اصلاح کا مقصد سلیقہ ہی تو ہے---آسمانی کتابیں اسی لیے تو اُتری ہیں---کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام، نسل انسانی کو زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی تو سکھانے کے لیے آئے ہیں---آخرت، حساب، کتاب، جزا اور سزا اور جنت و دوزخ، سب اسی لیے تو رکھے گئے ہیں کہ انسان دنیا میں سلیقہ مندی کے ساتھ جیے، ورنہ برے انجام کے لیے تیار رہے---

سلیقہ نہ ہو تو ہر نعمت عذاب ہے

اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ خدا کو اپنی دنیا میں سلیقہ مندی کس قدر اور کیوں عزیز ہے؟---اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو چکی ہوگی کہ اس دنیا میں ہم خدا کے بنائے ہوئے نظام کی پابندی کر کے ہی اپنے معاشی، معاشرتی اور روحانی معاملات میں آسودگی پیدا کر سکتے ہیں---اگر ہمیں علم حاصل کرنا ہے تو خدا کی بخشی ہوئی قوتوں سے---اگر ہمیں ترقی کرنی ہے تو خدا کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق---اگر ہمیں کامیابی کی منزل تک پہنچنا ہے تو خدا کے بنائے ہوئے راستوں پر چل کر---اور اگر ہمیں رزق پانا ہے تو خدا کی قدرت کے سرچشموں سے اور اس کے سکھائے ہوئے طریقوں کو اپنا کر---اس کے بغیر ہم رزق کے لیے دوڑ دھوپ تو کر سکتے ہیں، مگر رزق کے کسی الوہی چشمے تک رسائی ہرگز نہیں پا سکتے---

''رزق'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے ''خدا کی دی ہوئی چیز''---اب آپ خود سوچ لیجیے کہ آیا کوئی شخص خدا کی عطا کے بغیر رزق پا سکتا ہے؟---ہرگز نہیں---کیوں کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو رزق کا معنی ہوتا ''لی ہوئی چیز''---لیکن یہاں تو عربی کی ڈکشنری ہمیں ایک تصور دیتی ہے کہ ''رزق انسان خود نہیں کماتا، اسے خدا دیتا ہے''---اور خدا نے رزق دینے کے لیے مانگنے اور ڈھونڈنے والے کے سلیقہ مند ہونے کی شرط لگا دی ہے---اس نے بتا دیا ہے کہ جو اپنے اندر سلیقہ پیدا کر لے، اسے رزق ملے گا---اور جو سلیقہ کھو دے، اس سے رزق چھین لیا جائے گا---اس نے سمجھا دیا ہے کہ جس میں جتنا سلیقہ ہوگا، اسے اتنا ملے گا---اور جب تک سلیقہ رہے گا، تب تک ملے گا---

اس نے آگاہ کر دیا ہے کہ سلیقہ صرف مانگنے، ڈھونڈنے اور سمیٹنے تک محدود نہیں---اس میں سنبھالنے اور لٹانے کا ڈھنگ بھی شامل ہے---جو شخص خدا کی نعمتوں کو سنبھالنا اور لٹانا نہیں جانتا، وہ ان سے محروم کر دیا جاتا ہے---کیوں کہ انسان کے لیے کوئی بڑی سے بڑی نعمت بھی بالذات اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی اس کی حفاظت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت اہم ہے---اگر سلیقہ نہ ہو تو ہر نعمت بالآخر زحمت بن جاتی ہے---آبِ حیات، جس کا قطرہ قطرہ حیات بخش ہے، اگر افراط سے پیا جائے تو زہر ہلاہل بن جائے---اس لیے رزق مانگنے اور ڈھونڈنے سے پہلے اسے برتنے، سنبھالنے اور لٹانے کا سلیقہ سیکھنا چاہیے---

رزق کمانا انسان کے ذمہ ہے

رزق انسان کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے---اس لیے زندگی دینے والے نے رزق بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے، کسی مخلوق کے اختیار میں نہیں دیا، تاکہ کوئی کسی کو محروم نہ کر سکے---خدا کو اپنی مخلوق سے بہت پیار ہے---اس نے جو کچھ بنایا ہے، کسی کو اسے بگاڑنے کا حق نہیں دیا---اسی لیے جان، مال، عقل اور آبرو کے خلاف ہر زیادتی کو جرم ٹھہرایا ہے---یہاں تک کہ خود انسان کو بھی اپنی زندگی سے لے کر ذاتی مال تک کسی چیز کو ضائع کرنے کا حق نہیں دیا---خودکشی حرام ہے تو اپنا مال فضول خرچ کرنا بھی جرم ہے---اور جس طرح جان کی حفاظت فرض ہے، اسی طرح مال کی حفاظت بھی فرض ہے---

رزق حلال کمانا، انسان کا حق ہی نہیں، دینی فریضہ بھی ہے---ضروریات بڑھتی جائیں تو رزق بڑھانے کی کوشش لازم ٹھہرتی ہے---یہ کوشش خدا کو پسند ہے---اور اس سے غفلت، جرم---رزق سے محرومی کی تمنا، خدا سے بغاوت ہے---اور نا امیدی کفر---اگر کوئی بندہ اپنے لیے رزق سے محرومی کی تمنا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ دعا ہرگز قبول نہیں کرتا اور اس سے ناراض ہوتا ہے---رزق کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، یہ اس کے وجود کا خزانہ ہے---اس لیے رزق کی تلاش زندگی کا تقاضا ہے اور دین کا حکم ہے---ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

> "بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نمازوں سے ادا ہوتا ہے نہ روزوں سے اور نہ کسی اور عمل سے---ان گناہوں کا کفارہ صرف اور صرف اس مشقت کے ذریعہ ادا ہوتا ہے جو انسان رزق حلال کی طلب میں برداشت کرتا ہے"---[کنز العمال]

رزق حرام سے بچیے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین میں ہر طرف رزق کے ان گنت ذخیرے پھیلا دیے ہیں اوران سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، لیکن یہ اجازت غیر مشروط نہیں---اس کے ساتھ دو شرطیں لگائی گئی ہیں---ایک حلال اور دوسری طیب---قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾---[البقرہ:۱۶۸]

''اے انسانو! کھاؤ اس میں سے جو زمین میں ہے، حلال اور طیب''---

یہاں طیب سے مراد وہ چیز ہے، جو پاکیزہ، ستھری اور انسان کی طبع سلیم کے مطابق ہو---معنی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں سے جو تمہارے لیے پسندیدہ، خوش گوار اور صحت افزا ہوں، انہیں استعمال کرو---یوں اسلام نے غذا کے معاملے میں انسان کے حسن ذوق کی رعایت کی ہے---لیکن اس کے ساتھ دوسری اور اہم ترین شرط یہ لگا دی ہے کہ غذا حلال اور جائز ہو---حلال اس چیز کو کہتے ہیں جو نہ تو ذاتی طور پر ممنوع اور حرام ہو، جیسے مردار، شراب اور حرام جانور وغیرہ---اور نہ ایسے طریقے سے حاصل کی گئی ہو جس سے شریعت نے روکا ہے، جیسے چوری، جوا، رشوت اور سود وغیرہ---

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کھانے پینے اور استعمال کی چیزوں میں ظاہری صفائی کا اہتمام تو کیا جانے لگا ہے لیکن حلال وحرام کی تمیز اب بھی نہیں ہے---اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی پاکیزگی کے اہتمام یعنی رزق حلال کھانے کا حکم دیا ہے---ایک حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے:

کَسْبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ---[ابو نعیم]

''رزق حلال کی طلب، فرض کے بعد فرض ہے''---

حدیث کا مطلب یہ کہ ایمان اور ارکان اسلام کے بعد سب سے بڑا فریضہ، رزقِ حلال کمانا ہے---اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسب حلال کو دین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے---رزق حلال ہو تو دینی اعمال کی ساری عمارت درست ہو گی، ورنہ نہیں---اعمال کی پاکیزگی، حلال کھانے پر موقوف ہے---جس قدر کھانا حلال ہوگا، اسی قدر اعمال پاکیزہ اور نفع بخش ہوں گے---ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی، آقا! میں چاہتا ہوں کہ مستجاب الدعوات

بن جاؤں، یعنی جو بھی دعا کروں، قبول ہو---ارشاد فرمایا:

''رزق حلال کھاؤ، تمہاری دعا قبول ہوگی''---

ایک اور حدیث پاک میں بڑے واضح اور دوٹوک انداز سے فرما دیا کہ:

''جس شخص کا کھانا، پینا اور پہننا، اوڑھنا حرام ہو، اس کی کوئی دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی''---

اور جس کی دعا قبول نہ ہو، اس کی نیکیوں اور عبادات کا کیا فائدہ؟---

جرم کی راہ پر پہلا قدم

اصل یہ ہے کہ ایمان کے بعد دین کا پہلا سبق حلال وحرام میں تمیز کرنا ہے---جو شخص حرام کو حرام سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا، اس کا ایمان خطرے میں ہے---کسب حرام کی نحوست کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں جہاں قتل نفس سے روکا ہے، وہاں پہلے کسب حرام کی شدید مذمت کی ہے---اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں حرام خوری، قتل نفس سے بھی زیادہ بڑا اور بھیانک جرم ہے---دراصل بات یہ ہے کہ حرام کمانا، معاشرہ کی مسلمہ اخلاقی اقدار سے انحراف اور مجرمانہ کردار کی راہ پر انسان کا سب سے پہلا قدم ہے---جب ایک بار وہ یہ قدم اٹھالے، تو برائی کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور انسان منفی رویوں، جرم وانحراف اور مجرمانہ کردار کی راہ پر سرپٹ دوڑنے لگتا ہے---

رزق حرام سے انسان کی جو ذہنیت تشکیل پاتی ہے، وہ اس کے پورے وجود، مزاج اور شخصیت وکردار پر شدید منفی اثرات ڈالتی ہے---رزق حرام کمانے والا شخص، ذلت، محتاجی اور پستی کے احساس میں ڈوب جاتا ہے اور خود اپنی نظروں میں پست اور گھٹیا ہو کر رہ جاتا ہے---اس سے انسان میں شدید ذہنی تناؤ، مسلسل اضطراب اور کئی طرح کی نفسیاتی الجھنیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں---پھر یہ بھی ہے کہ رزق حرام کے منفی اثرات اس شخص کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس کے خاندان، زیر کفالت افراد اور اولاد کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کی نحوست کا اثر پورے معاشرہ اور سوسائٹی کو نقصان پہنچاتا ہے---

اب تو جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات یقین کی حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ ماں، باپ کی ذہنی ونفسیاتی الجھنیں، بیماریاں اور Tensions بھی اولاد میں موروثی طور پر منتقل ہوتی ہیں---

اسی طرح اگر ماں باپ میں سے کوئی شراب نوشی کی بری عادت کا شکار ہو تو اس کے منفی اثرات ان کی اولاد میں موروثی طور پر منتقل ہوں گے---اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ جس طرح ماں کے پیٹ میں بچے کی شخصیت اور وجود کی نشو ونما ماں کے کردار، ماحول اور مزاج وطبیعت سے متاثر ہوتی ہے، اسی طرح ماں باپ کا رزق اور کھانا پینا اگر سراسر حرام اور ناپاک ہو تو اس کے برے اثرات ان کی اولاد میں یقیناً منتقل ہوں گے---

کسب حلال معیار دین

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رزق کو دین کا حصہ بنا دیا ہے اور اس کے بارے میں ہر لحاظ سے احتیاط کا حکم دیا ہے---قرآن کریم میں رزق حلال اور نیک اعمال کو اس طرح ملا کر بیان کیا ہے کہ انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا ہے---ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا﴾---[المومنون:۵۱]

''پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو''---

رزق کمانا انسان کا خالص ذاتی عمل نہیں بلکہ ماحول اور معاشرہ کے ساتھ اس کے مسلسل تعامل (Interaction) کا ثمر ہے---پیشہ کے انتخاب سے لے کر رزق کے حصول تک، انسان کو مسلسل اپنے ماحول اور مختلف قوتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے---دور جدید میں حرام کے ذرائع اتنے عام اور حلال کے راستے اتنے تنگ ہو گئے ہیں کہ رزق حلال کمانا شدید محنت، مشقت اور تگ ودو کے بغیر ممکن نہیں رہا---یوں بھی کسب حلال کی راہ آسان نہیں---میرا احساس یہ ہے کہ دین وشریعت کی پوری زندگی ایک مسلسل امتحان اور آزمائش ہے---اور اس سارے ابتلاء وامتحان کا معیار کسب حلال ہے---یوں لگتا ہے کہ اخلاق واعمال کی ساری مشقتیں، ساری ریاضتیں اور سارے مجاہدے کسب حلال میں پنہاں ہیں---جو شخص کسب حلال میں کوشش کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے میں ہر مشقت برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے---ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

''کسب حلال میں محنت کرنے والا اللہ کی راہ میں مجاہد ہے''---

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا ہے کہ:

''اللہ کے نزدیک شرف وبزرگی عبادات سے نہیں رزق حلال سے حاصل ہوتی ہے''---

رزق اطاعت کی راہ سے ملتا ہے

رزق کی تلاش انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کا مسئلہ بھی--- وہ رزق کیسے ڈھونڈے، کہاں سے ڈھونڈے اور کیوں کر پائے--- انہیں سوالوں کے حل میں رزق کی تلاش کا سارا نظام چھپا ہوا ہے--- تو آیئے! ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کریں:

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے وجود میں بہت سی خواہشیں اور ضرورتیں رکھ دی ہیں--- انہی خواہشوں اور ضرورتوں کا پورا ہونا رزق کہلاتا ہے--- اب سوال یہ ہے کہ انسان رزق کی تلاش اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے؟--- کیا وہ اس میں آزاد ہے کہ جو اس کا جی چاہے، کرتا پھرے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی راستہ متعین فرمایا ہے--- پہلی بات تو وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے--- اللہ پر ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس نے ہمیں زندگی گزارنے، رزق کمانے اور ہر کام کرنے کا ایک طریقہ اور نظام دیا ہے--- اسی طریقے اور نظام کو دین کہا جاتا ہے---

اب آپ یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ رزق کمانے کا طریقہ بھی دین ہی سے ملتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجیے کہ دین ہمیں رزق کمانے کا جو طریقہ بتاتا ہے وہ زندگی گزارنے سے الگ نہیں--- ایک ہی طریقہ ہے جس کے مطابق ہمیں زندگی بھی گزارنی ہے اور اسی سے ہمیں رزق بھی ملے گا--- ایسا نہیں ہو سکتا کہ رزق کمانے کے الگ طریقے ہوں اور زندگی گزارنے کے الگ--- خدا ایک ہے، زندگی ایک ہے اور دین ایک ہے--- اسی لیے تو قرآن حکیم کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین ﷺ تک سب نبیوں کا دین ایک ہی ہے--- یہی دین ہماری دنیا بھی سنوارے گا اور آخرت بھی--- یہی دین ہماری معاش بھی ہے اور معاد بھی--- یہی دین ہمارے لیے سامان رزق بھی ہے اور ذریعۂ نجات بھی--- تو معلوم ہوا کہ رزق بھی ہمیں انہی اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، جو آخرت میں ثواب کا باعث ہوں گے---

نماز میں ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے صلے میں ہمیں رزق ملتا ہے--- صبح کی بیداری ہمارے لیے سعادت بھی ہے اور معیشت بھی--- مہمان کی خدمت ثواب بھی ہے اور رزق بھی--- دیانت داری اخلاق بھی ہے اور اقتصاد بھی--- صلہ رحمی نیکی بھی ہے اور خوش حالی بھی--- کسبِ حلال دین بھی ہے اور کاروبار بھی--- بچوں کی کفالت ذمہ داری بھی ہے اور سرمایہ کاری بھی--- زکوٰۃ دینا

بندے کا فرض بھی ہے اور خدا کے ہاں اس کا قرض بھی --- روزہ رکھنا اطاعت بھی ہے اور صحت بھی --- حج کے سفر میں روحانیت بھی ہے اور تجارت بھی --- ذکرِ الٰہی میں دل کی راحت بھی ہے اور معاشی فراغت بھی --- درود پاک رحمت بھی ہے اور نعمت بھی --- استغفار گناہوں کا کفارہ بھی ہے اور رزق کا دروازہ بھی --- تقویٰ اخروی فضیلت بھی ہے اور دنیوی کفالت بھی --- توکل میں رب کی خوشنودی بھی ہے اور بندے کے لیے روزی بھی --- الغرض ہر وہ عمل جو بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے، اسے رزق دلاتا ہے---

انسان کا ہر عمل اس کے رزق پر اثر ڈالتا ہے

انسان کا ہر اچھا برا عمل اس کے رزق پر اثر انداز ہوتا ہے --- اچھے عمل سے رزق بڑھتا ہے اور برے عمل سے گھٹتا ہے --- اچھے برے اعمال، کمی بیشی کے اسباب ہیں --- یہ اسباب جب بھی اور جہاں بھی پائے جائیں گے، ان کے نتائج ضرور سامنے آئیں گے --- یہ ایک بنیادی حقیقت ہے ---

روزی وہ ہے جو عزت سے ملے

دنیا میں رزق تو سب کو ملتا ہے مگر رزق کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ رزق جو آدمی عزت و ناموس بیچ کر لیتا ہے --- جس کے پیچھے بندہ بھاگتا ہے --- محنت مشقت کرتا ہے --- رسوائی جھیلتا ہے --- تب جا کر ہاتھ آتا ہے اور وہ بھی تھوڑا تھوڑا --- یہ رزق مسلط ہے --- بندہ اس کے قبضے میں ہے اور مصیبت کا شکار --- رزق مسلط بندے کے لیے خدا کی طرف سے ابتلا اور آفت ہے ---

دوسرا رزق وہ ہے جو بندے کو آسانی اور سکون سے مل جاتا ہے --- یہ رزق خدا کی طرف سے نعمت ہے اور خود چل کر بندے کی طرف آتا ہے --- یہ رزق مسخر ہے اور یہی حقیقی روزی ہے --- اس میں انسان کی خوش حالی بھی ہے اور عزت و تکریم بھی --- قرآن اسے رزق طیب اور رزق کریم کہتا ہے --- انسان کو چاہیے کہ وہ رزق مسلط سے خدا کی پناہ مانگے اور رزق مسخر کی التجا کرتا رہے ---

خدا کی عطا پر راضی رہو

رزق خدا دیتا ہے اور صرف اسی کو دیتا ہے جو اس کی عطا پر راضی رہے --- واضح بات ہے کہ جس نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے، وہ مزید اسی صورت میں دے گا، جب آپ اس کے پہلے دیے ہوئے پر راضی ہوں --- جو کچھ پہلے سے ملا ہوا ہے، اگر آپ اس پر خوش نہیں تو اور کیوں دیا

جائے--- پس یہ بات یاد رکھیے جو کچھ خدا نے دیا ہوا ہے، اس پر راضی رہنے میں برکت ہی برکت ہے--- حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو کچھ دیا ہوا ہے اس میں آزماتا ہے--- اگر بندہ خدا کے دیے ہوئے پر راضی رہے تو اسے برکت دیتا ہے اور اس کا رزق بڑھا دیتا ہے''---[مسند احمد، دیلمی]

رزق وہی جو دین کے تابع

تدبیر خود کچھ نہیں دیتی، خدا دیتا ہے--- اور خدا اپنے احکام کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتا--- شیطان نے صرف ایک حکم کو توڑا اور ہمیشہ کے لیے مردود ہو گیا--- خدا کے احکام کا مجموعہ دین ہے--- اس لیے تدبیر صرف وہی کارگر ہوتی ہے، جو دین کے تابع ہو--- دین سے ہٹ کر جو رزق ملے، وہ دنیا میں امتحان اور آخرت میں سزا ہے---

جب تک سانس، تب تک آس

ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

''جب تک تمہارے سر ہلنے کی طاقت رکھتے ہیں اور تمہارے بدن میں جان باقی ہے، اپنے رزق سے مایوس نہ ہو--- بے شک انسان ماں کے پیٹ سے ایک ننھا کمزور وجود لے کر آتا ہے، پھر خدا اسے رزق دیتا رہتا ہے اور وہ توانا آدمی بن جاتا ہے''---[مسند احمد، صحیح ابن حبان]

ایک اور حدیث پاک سنیے:

''اگر ابن آدم رزق سے جان چھڑا کر اس طرح بھاگے جس طرح موت سے بھاگتا ہے، تب بھی اس کے مقدر کا رزق اس تک پہنچ جائے گا--- جس طرح موت اس تک پہنچ جاتی ہے''---[ابو نعیم، کنز العمال]

کل کا رزق خدا کل دے گا

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے معاشی پریشانی کی تلخی کم کرنے اور ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں ایک گر بتایا ہے--- ایسا گر جسے ہم اچھی طرح سمجھ کر اپنا لیں تو نہ صرف ہماری بہت سی الجھنیں اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی بلکہ زندگی بہت آسان

گزرے گی---آپ فرماتے ہیں:

"اے بندے! تو اپنے ذہن اور دل پر ایسے دنوں کے رزق کا فکر و غم مسلط نہ کر جو ابھی آئے نہیں، بلکہ پردۂ مستقبل میں ہیں---تو اپنے آج کے دن کو آنے والے کل کے لیے رزق کی پریشانی میں ضائع نہ کر---اپنے حال کو مستقبل کی بھینٹ نہ چڑھا---بس اتنی بات یاد رکھ کہ آنے والے جو دن تیری زندگی کے نصیب میں لکھے ہیں، ان دنوں کے لیے خدا نے تیری ہر ضرورت اور خوشی کا سامان بھی رکھا ہے---جب وہ دن آئیں گے تو اپنے ساتھ تیری ضرورتوں کا سامان اور تیرے مسائل کا حل بھی لے کر آئیں گے---تیرا آنے والا کوئی دن تیرے رزق اور راحت کے بغیر نہیں آئے گا---اور یہ بھی اچھی طرح جان لے کہ تو اپنی عمر بھر کی بھاگ دوڑ میں جتنا بھی کما لے گا، اس میں سے تیرا حصہ صرف وہی ہوگا جو تو کھا لے، پہن لے، یا برت لے---باقی جو کچھ بھی تو سمیٹے گا، اس میں تیری حیثیت صرف ایک جمع کرنے، ذخیرہ کرنے اور سنبھالنے والے کی ہوگی---اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے---پھر اے بندے! ذرا سوچ کر یہ تو بتا، تو اپنے آج کو چھوڑ کر دوسروں کے کل کی خاطر اپنے آپ کو اتنا ہلکان کیوں کر رہا ہے؟---اتنی پریشانی میں آخر کس لیے خود کو مبتلا کیے بیٹھا ہے"---

کبھی اکٹھا رزق بھی ملتا ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ دس دن کا رزق اکٹھا دے دیتا ہے، اب اگر وہ میانہ روی سے خرچ کرے تو پورے دس دن خوش حالی میں گزرتے ہیں لیکن اگر وہ فضول خرچی سے اپنا رزق جلدی ختم کر لے تو باقی دن معاشی تنگی میں گزرتا ہے"---

جلد بازی سے کچھ ملتا ہے نہ تاخیر بچاتی ہے

ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

"کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے جلدی نہ کرو کہ تمہیں گمان ہے کہ جلدی کرنے سے اس کو پا لو گے، خواہ وہ تمہاری قسمت میں نہ بھی لکھی ہو---یاد رکھو! ایسا نہیں ہو سکتا---اسی طرح کسی نقصان سے بچنے کے لیے معمولات

میں تاخیر نہ کرو---اس خیال سے کہ یہ تاخیر تمہیں آنے والی تکلیف سے بچالے گی---خواہ وہ تکلیف تمہارے نصیب میں لکھی ہوئی ہو---یادرکھو! تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا"---[طبرانی، کنزالعمال]

تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"جب اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی قضاوقدر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو ان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتا ہے، پھر جب تقدیر کا لکھا پورا ہو جاتا ہے تو انہیں عقل وفہم لوٹا دیتا ہے، اب وہ ندامت سے دوچار ہوتے ہیں"---[مسند دیلمی، کنزالعمال]

اس کا نہ دینا بھی عطا ہے

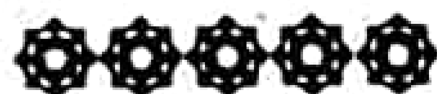
جس طرح خدا کے دینے میں خیر ہے، اسی طرح اس کے نہ دینے میں بھی خیر ہی خیر ہے---وہ اگر کسی سے کچھ روکتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اسے محروم رکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس لیے کہ اسے بہتر شکل میں کسی دوسرے موقع پر دینا چاہتا ہے---کسی زیادہ ضرورت کے موقع پر، زیادہ مجبوری کی حالت میں---خدا کا دینا بندے کے لیے عطا ہے اور نہ دینا بھی عطا ہے---یہ ذخیرہ ہے، اس کے کل کے لیے---، بچت ہے، اس کی ہنگامی ضرورت کے لیے---

رکاوٹ بھی خدا کی رحمت ہے

ایک روایت میں ہے کہ:

"بندہ رات کو کسی دنیاوی کام کا ارادہ باندھتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟---چوں کہ وہ کام اس کے لیے بربادی کا باعث ہوتا ہے، اس لیے خدا تعالیٰ بندے پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے اور اسے اس کام سے ہٹا دیتا ہے---بندہ لاعلمی کے باعث صبح پریشان اور غمگین اٹھتا ہے اور کام نہ ہونے سے بدشگونی لیتا ہے، حالانکہ یہ رکاوٹ خدا کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہوتی ہے"---

[بشکریہ ماہنامہ کاروان قمر، کراچی]



ڈی این اے ---تخلیق الٰہی کا کرشمہ

انجم اقبال

ڈی این اے (DNA) کی معلومات تک پہنچنا سائنس کی تاریخ کا بڑا اہم سنگ میل ہے۔ مادے پرمبنی کائنات کی تعبیر جو جدید دور کا بڑا اہم حصہ بن گئی تھی، اب جدید دور کے بعد، مابعد الجدید یا (post modern) دور میں خود سائنس کے ذریعے اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ انجام کار وہ سائنس جو خدا کی منکر ہو گئی تھی، اب خدا کا اقرار کیا چاہتی ہے۔ دنیائے سائنس نے مان لیا ہے کہ چارلس ڈارون کے تصورِ ارتقا نے انسانیت کے ۱۵۰ سال خراب کیے ہیں۔ اس تصور کے تحت بے جان ایٹموں (atoms) نے کسی مبہم طریقے سے اپنے آپ کو اس طرح استوار کر لیا کہ وقت گزرتے یہ ایٹم زندگی کی متعدد قسموں کو اختیار کرتے گئے اور جان دار شکلیں دھارتے گئے اور آخر کار بندر کی شکل سے گزرتے ہوئے انسان کے وجود کا باعث ہو گئے۔ قدیم ترین تہذیبوں، یونان میں سقراط سے پہلے اور مصر اور بابل لون میں بھی انسانوں کی زندگی کو تغیر پذیر توہم پرستانہ منزلوں (stages) میں تقسیم کیا گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ڈی این اے کی تفصیل بتائی جائے کہ اس دریافت نے کس طرح خدا کے قریب ہونے کا راستہ ہموار کیا ہے، ہم یہ بتاتے چلیں کہ ۱۹ویں صدی میں تین بڑی طاقت ور آوازیں گونجتی رہی ہیں، جس میں سے ہر آواز کے لاکھوں پیروکار پیدا ہوئے۔ ان میں ایک آواز کارل مارکس کی تھی، جس نے تمام دنیا کے محنت کشوں اور کاری گروں کو یک جہتی کا پیغام دیا۔ اس کے تصورات اتنے جامع قرار پائے کہ تاریخ، معاشیات و مالیات، سیاست اور معاشرے کے مکمل احاطے کے ساتھ علم و دانش کی بے اندازہ شقوں کو متاثر کر گئے۔ یہ انقلاب برپا کرنے اور اپنی دنیا آپ تبدیل کرنے والے خیالات تھے جو اپنی ابتدائی شکل میں ۱۹۴۸ء میں اشترا کی منشور (Communist Manifesto) کی شکل میں سامنے آئے۔ یہ مادہ پرست پس منظر میں صرف دولت کی تقسیم پر سماج کی تعمیر کا وہ خواب تھا، جس کی تعبیر روس میں بڑے پیمانے پر آزمائی گئی۔ روئے زمین پر اس تصور کے کروڑوں پیروکار پیدا ہوئے اور اس کی ہم نوائی میں زندگی کی تعبیر پھر سے کی جانے لگی، خدا ناشناس علمی عنوانات: روشن خیالی، ترقی پسندی، آزاد خیالی، عورتوں کے حقوق جیسے سیکڑوں خوب صورت الفاظ تراشے گئے، جو عام آدمی کو خوش کرنے اور ایک معیاری انصاف پسند دنیا بنانے کا ولولہ انگیز طوفان تھا جو بڑے بڑوں کو بہا لے گیا۔ روس کے خاتمے کے ساتھ یہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کے تمام ہم نوا اور پیروکار اپنے اپنے ملبوں میں واپس جانے کے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

دوسری آواز فرائڈ کی تھی، جو ۱۸۸۲ء میں شعور اور تحت الشعور کی بحث کے ساتھ اُبھری، اس نے تجربات سے ثابت کیا کہ بھولی ہوئی یادیں اور تجربات تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان کو واپس یاد دلایا جا سکتا ہے۔ ان تجربات کو کرنے کے لیے اس نے نفسیاتی تجزیے (psychoanalysis) کا وہ تجرباتی طریقہ پیش کیا کہ رومانی دنیا کے انسانی ذہن کے لیے لامحدود وسعتوں تک ترقی کر سکنے کے امکانات وا کر دیے۔ یورپ، امریکا اور دنیا بھر میں نفسیاتی تجزیے کی تجربہ گاہیں کھل گئیں۔ فرائڈ کی سب سے زیادہ مشہور تشریح اس کا لبیڈو (Libido) نظریہ تھا، جس کے لاتعداد ہم نوا اور بے اندازہ مخالفین بھی سارے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ لبیڈو نظریہ کے تحت انسان اپنی تمام نشوونما میں پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ مانگنے کے وقت سے موت کی آخری ہچکی تک ایک جنسی تسکین کا متمنی رہتا ہے۔ جنسی لذت کی کمی اور زیادتی کے تجربات کے تحت ہی انسان کی تمام جسمانی، ذہنی، دماغی، عملی اور دانش مندی کی کارفرمائیاں وجود پاتی ہیں۔ اس نظریے کو انسان کے تمام اوامر زندگی پر

محیط کرنے کی کوشش عالمی پیمانے پر کی گئی۔ یہ خود پسندی (Narcissism) تھی، یعنی وہ نفسی کیفیت جس میں انسان اپنی ہی ذات کو کامل اور خود اپنے ہی عشقِ ذات میں محو رہنا کافی سمجھتا ہے۔ اپنی جسمانی لذتوں کے پانے میں گم ہو جانے اور اسی کو مرکز حیات اور مقصد کائنات سمجھنے اور سمجھانے والوں کی ایسی شدید گونج تھی جو مختلف ناموں سے ۱۹ ویں صدی میں اٹھی اور پوری ۲۰ ویں صدی میں گونجتی رہی اور ۲۱ ویں صدی کے آتے آتے غلط اور بے بنیاد ثابت کر دی گئی۔

تیسری آواز ڈاروِن کی تھی، جس نے انسان کو بندر کا رشتے دار بتایا اور فلسفہ ارتقا کے دیوانے گھر گھر نظر آنے لگے۔

۲۰۰۰ء میں یہ ثابت ہوا کہ جب روشنی کی رفتار کو کئی گنا بڑھایا گیا تو اس تجربے کے دوران سائنس دان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس تجربے میں تاثیر (effect) اس کے سبب (cause) سے پہلے ہوئی۔ ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی سبب سے پہلے اس کی تاثیر کا ہونا ممکن ہے۔ اب تک خیال تھا کہ کسی بھی اثر، انجام، نتیجہ یا حاصل کو پانا اس کے سبب، وجہ یا علت کے ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ یہ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ کسی واقعے کی انتہا اس کی ابتدا سے پہلے بھی ممکن ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ واقعہ خود اپنے آپ میں ایک تخلیق (creation) ہے۔ یہ کسی دوسرے واقعے کا ردعمل نہیں ہے۔ اب تک جو کہا جاتا رہا ہے کہ ہر عمل کسی عمل کا ردعمل ہے یا یہ کہ There is reaction to every action، یہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ ۲۵ / جون ۲۰۰۰ء کو یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک قدیم چڑیا کا فوسل (fossil) جو لاکھوں سال بعد دریافت ہوا، وہ بھی چڑیا ہی تھا، یعنی لاکھوں سال پہلے سے اب تک اس چڑیا میں کوئی ارتقا (evolution) نہیں ہوا۔ آج کی چڑیا بھی بالکل وہی چڑیا ہے جو لاکھوں سال پہلے تھی۔ ابھی ۲۰۰۱ء میں انسانی جینوم (genome) پراجیکٹ مکمل ہوا ہے، جس میں زندگی کے حیاتیاتی میک اپ (biological makeup) کا مکمل نقشہ تیار کیا گیا، جو اس صدی کا بڑا سائنسی کارنامہ ہے۔ اس پراجیکٹ کے نتیجے میں یہ بات اور واضح ہو گئی ہے کہ خدا کی تخلیق جو انسان کی شکل میں ودیعت کی گئی ہے، وہ زندہ اشیا میں سب سے عظیم تخلیق ہے۔ ماہرین ارتقا کوشش کر رہے ہیں کہ انسانی جین (gene) اور جانوروں کے جین میں مشابہت کی افواہ پھیلا کر کچھ مواد اپنے مطلب کا نکالنے میں کامیاب ہو جائیں مگر حقیقت یہ ہے کہ دانش وروں اور سائنس دانوں کی بڑی تعداد نظریہ تخلیق کی حامی (creationist) ہوتی جا رہی ہے، جن کا یہ اعتراف ہے کہ دنیا کسی عظیم قوت کی قوتِ تخلیق سے

وجود میں آئی ہے۔ بتدریج ترقی کے مراحل سے گزرتی ہوئی اپنی موجودہ حالت کو نہیں پہنچی ہے۔ آیندہ جو مختصر تفصیلات بیان ہوں گی ان کی روشنی میں آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ خدا ناشناس سائنس اب اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہے اور ۲۱ویں صدی انسان کو اپنے کھوئے ہوئے خدا سے پھر ملا دے گی۔

ڈی این اے زندگی کا کوڈ

ڈی این اے میں موجود فرمانِ الٰہی جب سائنس کی سمجھ میں آنے لگا تو سب سے پہلے یہ مانا جانے لگا کہ زندہ اشیا ایسی مکمل اور پیچیدہ ترتیب و ترکیب کا مرکب ہیں کہ یہ حادثاتی طور پر کسی اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آ سکتیں، جب تک یہ کسی بڑے ماہر اور قادر مطلق بنانے والے کی کارگزاری نہ کہی جائے۔ اگر کسی مقام پر اینٹ، پتھر، گارا، مٹی، قالین، ایرکنڈیشنر، ٹی وی اور ریفریجریٹر اور تمام رہائشی سامان موجود ہو اور پھر اچانک ایک حادثہ یا اتفاقی واقعہ ایسا ہو جائے کہ یہ سب مل کر بادشاہ سلامت کا محل بن کر اُبھر آئے، یہ جادو کی کہانی تو ہو سکتی ہے، ایک سائنسی حقیقت کبھی نہیں ہو سکتی۔ اب ڈی این اے میں چھپے ہوئے تین بلین (3×10^9) یا ۳ ارب کیمیائی حروف کو decode کرنا اور انسانی ڈی این اے میں موجود ۸۵ فی صد ڈاٹا صحیح ترتیب و سلسلے (sequence) میں لانا ممکن ہو گا۔ اتنا اہم اور کامیاب پراجیکٹ بھی اس کے لیڈر ڈاکٹر فرانسس کولنز (Francis Collins) کے بقول ابھی پہلا قدم ہے، جو ڈی این اے میں چھپی معلومات حاصل کرنے کی طرف اٹھایا گیا ہے۔ معلومات کے اس ذخیرے کو حاصل کرنے میں اتنا زمانہ کیوں لگا؟ اس سوال کا جواب ملے گا اگر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ڈی این اے میں کس نوعیت کی معلومات پوشیدہ ہیں۔

ڈی این اے کی دنیا

ڈی این اے ہمارے جسم کے ۱۰۰ ٹریلین (10^{14}، یا ۱۰۰ کھرب) خلیوں میں سے ہر ایک خلیے کے مرکزے (nucleus) میں بڑی حفاظت سے موجود ہوتا ہے۔ ہر خلیے کا قطر ۱۰ مائی کرون (micron) ہوتا ہے۔ مائی کرون 10^{-6}m کو کہتے ہیں۔ گویا میٹر کا دس لاکھواں حصہ یا ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ۔ اتنے چھوٹے خلیے کے درمیان ڈی این اے محفوظ ہوتا ہے۔ اس ڈی این اے میں انسانی جسم کی ساخت اور بناوٹ کی تمام تر تفصیلات اتنی وسعت، گیرائی اور گہرائی کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں کہ اس کا وجود اللہ رب العزت کی صناعی کی اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ اپنے سمجھنے کے لیے ان معلومات کو صرف سلسلۂ ترتیب میں لا کر انسان پھولا نہیں سما رہا ہے۔ اس علم کو

ایک عظیم الشان شعبۂ علم سے وابستہ کر کے اس کو جینیات (genetice) کا نام دیا گیا ہے۔ ۲۱ویں صدی کی یہ علمی شق ابھی گھٹنوں چلنے کی عمر میں ہے۔ اس میدان میں ابھی اور نہ جانے کیا کیا انکشافات ہونے ہیں۔

ڈی این اے میں زندگی

آج مثلاً ۲۵ سال کی عمر میں ہم اپنا سراپا آئینے میں دیکھیں تو یہ بے داغ جسم، یہ حسین و پرکشش شکل وشباہت، یہ صحت وتندرستی، یہ علم ودانش سے آراستہ ذہن وعقل کس طور ترقی کرتے ہوئے اس حال کو پہنچیں گے، یہ علم ۲۵ سال اور ۹ ماہ پہلے اس ڈی این اے میں لکھ دیا گیا تھا، جو ماں کے پیٹ میں سب سے پہلے بار آور شدہ بیضے (fertilized egg) کے خلیے کی شکل میں نمو پایا تھا۔

اتنا ہی نہیں ہماری لمبائی چوڑائی، وزن، ناک نقشہ، چہرہ مہرہ، بالوں اور آنکھوں کا رنگ، جلد کی رنگت، خون کی قسم وغیرہ نطفہ ٹھہرنے سے شروع ہو کر موت تک روز بروز ماہ بہ ماہ، سال بہ سال تبدیلیوں کا حال، ایک مکمل تسلسل کے ساتھ ڈی این اے میں موجود رہتا ہے۔ مثلاً اس میں لکھا رہتا ہے کہ کب کب خون کا دباؤ زیادہ ہوگا اور کب کم رہے گا۔ کب سر کا پہلا بال سفید ہوگا اور کب دُور کی اور قریب کی نظر کمزور ہو جائے گی۔

انسانی خلیے میں ضخیم انسائی کلوپیڈیا

ہم معلومات کے ذخیروں کو انسائی کلوپیڈیا کی طرز پر جانتے ہیں۔ ڈی این اے میں پوشیدہ معلومات کا ذخیرہ کوئی معمولی ذخیرہ نہیں۔ ایک ڈی این اے میں موجود معلومات کو اگر کتابی شکل میں منتقل کیا جائے تو یہ برطانوی انسائی کلوپیڈیا کے ۱۰ لاکھ صفحات پر مکمل ہوگا۔

ذرا تصور کریں کہ انسانی جسم کے ۱۰۰ ٹریلین خلیوں میں سے ہر خلیے کے مرکزے کے اندر ایک مالی کیول (molecule) جس کا نام ڈی این اے ہے، ملتا ہے۔ اس کا سائز ایک ملی میٹر کا ایک ہزارواں حصہ ہے اور اس میں وہ معلومات درج ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے انسائی کلوپیڈیا بریٹانیکا سے ۴۰ گنا زیادہ ہیں، جو اسی انسائی کلوپیڈیا جیسی ۹۲۰ جلدوں میں سما سکے گا، جس میں متعدد معلومات کی ۵ بلین (5×10^9) قسمیں یا جزئیات (pieces) محفوظ ہیں۔ اگر ہر ایک جز کو پڑھنے پر صرف ایک سیکنڈ صرف کیا جائے اور ۲۴ گھنٹے متواتر پڑھنے کا سلسلہ رہے تو اسے ایک بار پڑھنے کے لیے ۱۰۰ سال لگ جائیں گے۔ ۹۲۰ جلدوں کی ان کتابوں کو اگر ایک دوسرے کے اُوپر سجایا جائے گا تو ۷۰ میٹر اونچا کتابوں کا منار تیار ہو جائے گا۔ یہ سب معلومات اس ذرّے میں سما

دی گئی ہے جو پروٹین، چربی اور پانی کے چند مالی کیولوں سے مرکب ہے۔

جی جی تھامسن نے لکھا تھا کہ ہماری زمین پر کل جان دار اشیا ایک ہزار ملین ہیں۔ ان تمام اشیا کی معلومات ڈی این اے کی شکل میں جمع کی جائے تو چائے کے ایک چمچے میں آ جائیں گی اور پھر بھی جگہ خالی رہے گی۔

خلیے میں دانائی

جسم انسانی کے سارے ۱۰۰ ٹریلین خلیے عجب حکمت اور دانش مندی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ بظاہر بے جان ایٹموں کا مجموعہ ایک بے روح شے ہونا چاہیے۔ ہم اگر تمام عناصر کے ایٹم جمع بھی کرلیں، ان کو کسی بھی ترتیب سے لگالیں مگر وہ دماغ، وہ سمجھ بوجھ اس ذخیرۂ ایٹم سے حاصل نہیں کرسکتے جو کسی عمل کو سلیقے، سلسلے اور ترتیب کے ساتھ انجام دینے کے لیے ضروری ہے۔ جس طرح ہر عقل و سمجھ بوجھ والے کام کے لیے ضروری ہے کہ کسی دانش مند نے اس کام کو انجام دیا ہو، وہ کمپیوٹر ہو یا کوئی اور کام ہو، اسی طرح ڈی این اے بھی اپنے بنانے والے سے عقل و دانش اور سمجھ بوجھ لے کر آیا ہے۔

ڈی این اے کی زبان اور قوت گویائی

ہماری زبان میں ''الف'' سے ''ے'' تک حروف تہجی ہیں۔ انگریزی زبان A سے Z تک ۲۶ حروف سے بنتی ہے۔ ڈی این اے کی زبان میں صرف چار حروف ہیں: A-T-G-C۔ ان میں سے ہر ایک حرف ان خاص بنیادوں (bases) میں سے ایک ہے جو نیوکلیوٹائیڈس (nucleotides) کہلاتے ہیں۔ دسیوں لاکھ bases ایک ڈی این اے میں قطار در قطار ایک بامعنی ترتیب اور سلسلے کی کڑی بنائے رکھتے ہیں اور یہ سب مل کر ایک ڈی این اے کا مالی کیول بناتے ہیں۔

G،T،A اور C میں سے کوئی بھی دو مل کر ایک اساسی جوڑا بناتے ہیں، جسے اساسی جوڑا (base pair) کہا جاتا ہے۔ یہی اساسی جوڑے اُوپر تلے جمع ہو کر جین بن جاتے ہیں۔ ہر جین جو کسی مالیکیول ڈی این اے کا ایک حصہ ہوتا ہے، انسانی جسم کے کسی نہ کسی حصے کے بارے میں معلومات محفوظ کیے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ اس جسمانی حصے کی نمایاں خصوصیات، وضع قطع، ڈیل ڈول، ہیئت، خدوخال، صورت، شکل، حلیہ، رنگ وروپ جو کسی فردِ خاص کی انفرادیت سے متعلق مفصل کیفیت کہی جاسکتی ہے، اس جین میں درج ہوتی ہے۔ اب انسان کی لاتعداد خصوصیات ہیں، یہ لمبائی ہو، آنکھوں کا رنگ ہو، ناک بھوں کی ندرتیں ہوں یا کان بڑا یا چھوٹا ہو، یہ سب جین میں موجود پروگرام کے مطابق بنتے اور سنورتے جاتے ہیں اور جسم کا ہر ہر حصہ جین کے حکم کے مطابق

پروان چڑھتا ہے۔

ایک انسانی خلیے کے ایک ڈی این اے میں ۲ لاکھ جین ہوتے ہیں۔ ہر جین مخصوص نیوکلیوٹائیڈس کے بالکل انفرادی سلسلۂ ترتیب سے بنا ہوتا ہے۔ ان نیوکلیوٹائیڈس کی تعداد اس پروٹین کی قسم پر منحصر ہوتی ہے، جس سے یہ وجود پاتا ہے۔ پروٹین کی یہ تعداد ۱۰۰۰ سے ایک لاکھ ۸۶ ہزار تک ہوسکتی ہے۔ اس جین میں جسم انسانی میں موجود ۲ لاکھ قسموں کی پروٹین کا کوڈ بھی چھپا ہوتا ہے اور وہ نظام بھی موجود رہتا ہے جس کے تحت یہ تمام پروٹین ضرورت کے مطابق جسم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

خیال رہے کہ ایک جین بے چارہ ڈی این اے کا صرف ایک معمولی سا حصہ ہے۔ ۲ لاکھ جینز میں محفوظ معلومات یا کوڈ ڈی این اے میں موجود کل معلومات کا صرف ۳ فی صد ہی ہوتی ہیں۔ ۹۷ فی صد دفترِ علم ابھی ہماری بساطِ آگہی کے لیے پردۂ راز میں ہے۔ یہ بات تو مان لی گئی ہے کہ یہ ۹۷ فی صد علم جس تک ابھی انسان کی رسائی ممکن نہیں ہوسکی ہے، انسانی خلیے کی بقا اور ان مکانیات (mechanisms) سے متعلق جو انسانی جسم میں انتہائی پیچیدہ عوامل کے کنٹرول کا باعث ہوتے ہیں، بڑی ناگزیر معلومات رکھتے ہیں۔ صرف ۳ فی صد معلومات کا پتا ملنے پر عقل انسانی حیران ہے، دانش وفکر پر سکتہ طاری ہے، ابھی مزید ۹۷ فی صد پوشیدہ معلومات تک پہنچنا ایک لمبا سفر ہے جو جاری ہے۔

جین خود بھی کروموسوم (chromosomes) میں واقع ہوتے ہیں۔ جنسی خلیے کے علاوہ ہر انسانی خلیے میں ۴۶ کروموسوم ہوتے ہیں۔ ہر کروموسوم ایک کتابِ علم کی طرح ہے کہ ایک انسان کے متعلق تمام معلومات ۴۶ جلدوں کی کتابوں میں بند رہتی ہے اور یہ سب بسیط معلومات کا وہ خزانہ ہے کہ جسے ورقِ کتاب پر لایا جائے تو برطانوی انسائی کلوپیڈیا کی ۹۲۰ جلدوں تک پھیل جائے۔

ہر انسان کے ڈی این اے میں حروف A، T، G اور C کا سلسلہ (sequence) مختلف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے انسان پیدا ہوچکے ہیں اور قیامت تک جو اسی طرح پیدا ہوتے رہیں گے، وہ تمام کے تمام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ذرا سوچیں کہ ہر انسان کے تمام اعضا کا نام مختلف نہیں ہے، یعنی آنکھ، ناک، منہ، دل، گردہ وغیرہ سب کے پاس ہے۔ پھر بھی ہر شخص کچھ ایسے خاص انفرادی اور بڑے تفصیلی طریقے پر پیدا ہوا ہے کہ سب کے سب ایک خلیے کے تقسیم در تقسیم ہونے کے عمل سے پروان چڑھنے کے باوجود ایک ہی

بنیادی بناوٹ رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ہمارے تمام اعضا ایک منصوبے کے تحت پروان چڑھتے ہیں جو ہماری جین میں لکھا ہوا ہے۔ سائنس دانوں نے جو خاکہ مکمل کیا ہے اس کے تحت جسم کے مختلف اعضا کو کنٹرول کرنے والی جین کی تعداد مختلف ہے۔ مثلاً ہماری کھال کو جو جین کنٹرول کرتی ہیں ان کی تعداد ۲۵۵۹ ہے۔ اسی طرح دماغ کو ۲۹۹۳۰، آنکھ کو ۱۷۹۴، لعاب دہن کو ۱۸۶، دل کو ۶۲۱۶، سینے کو ۴۰۰۱، پھیپھڑوں کو ۱۱۵۸۱، جگر کو ۲۳۰۹، آنتوں کو ۳۸۳۸، دماغی پٹھوں کو ۱۹۱۱، اور خون کے سیل کو ۲۲۹۲ جین کنٹرول کرتی ہیں۔

ڈی این اے کے حروف کا سلسلۂ ترتیب انسانی بناوٹ کی تمام تر تفصیلات طے کرتا ہے۔ معمولی سے معمولی تفصیل بھی اس کے احاطے میں ہے۔ صرف آنکھ، ناک، چہرہ مہرہ اور ظاہری حسن و جمال ہی نہیں، ایک سیل میں نصب ڈی این اے انسانی جسم میں موجود ۲۰۶ ہڈیوں، ۶۰۰ پٹھوں (muscles) اور ۱۰ ہزار auditory muscles (کان سے متعلق پٹھے) کے نیٹ ورک اور ۲۰ لاکھ optic nerves (آنکھ سے متعلق) اور ۱۰۰ بلین nerve cells اور تمام کے تمام ۱۰۰ ٹریلین خلیوں کا مکمل ڈیزائن اپنے اندر سمائے ہوئے ہوتا ہے۔

اس وسیع سمندر کا اندازہ لگائیے اور علم کی کائنات کی سب سے پیچیدہ مشین "آدمی" کے جسم و عقل اور فہم و ادراک کے پروان چڑھنے کا علم حیرت انگیز طور پر ایک ڈی این اے میں قطار در قطار جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ڈی این اے کے حروف کے سلسلۂ ترتیب (sequence) میں ذرا بھی نقص رہ جائے تو ممکن ہے آپ کی آنکھیں چہرے پر ہونے کے بجائے آپ کے گھٹنے پر نمودار ہو جائیں اور آپ کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں، سر اور کمر اپنے موجودہ مقام سے ہٹ کر کسی بے ہنگم جگہ پر وارد ہو جائیں۔ ڈی این اے کا یہ مکمل نظام آپ کے بے داغ ڈیل ڈول اور ہر اعتبار سے مکمل انسان ہونے کا ضامن ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ ڈی این اے کا منظم سلسلہ کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے یا ناگہانی واقعہ ہے تو کوئی کم عقل بھی یہ بات نہ مانے گا۔ اتفاقات کا امکان یا احتمال، ریاضی میں امکان (probability) کے حساب سے معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ وہ نسبت ہے جو کسی اغلب حالت کو جملہ ممکنہ حالات سے ہو۔ آج ریاضیات نے یہ بھی حساب لگا دیا ہے کہ محض اتفاق سے ایک ڈی این اے کے ۲ لاکھ جین میں سے کسی ایک جین کی بھی ترتیب اس مخصوص سلسلے سے ہموار ہو جانے کی نسبت صفر کے برابر ہے۔

فرینک سالسبری (Frank Salisbury) جو خود ایک ارتقا کو ماننے والا سائنس دان ہے،

کہتا ہے کہ: ایک درمیانی درجے کے پروٹین میں ۳۰۰ کے قریب amino acids ہوتے ہیں۔ اس کو کنٹرول کرنے والے ڈی این اے جین میں تقریباً ۱۰۰۰ نیوکلوٹائیڈ کی ایک کڑی ہوگی۔ چوں کہ ایک ڈی این اے کڑی میں چار قسم (A،T،G،C) کے نیوکلوٹائیڈ ہوتے ہیں، اس لیے ۱۰۰۰ link والی کڑیاں ۴ ^۱۰۰۰ قسموں کی ہوں گی۔ الجبرا کے ذریعے logrithms کے استعمال سے ۴ ^۱۰۰۰ کا مطلب ہوا ۱۰ ^۶۰۰، یعنی ۱۰ کو ۱۰ سے ۶۰۰ مرتبہ ضرب کرنے سے ایک کے بعد ایک ۶۰۰ صفر لگانے سے جو ہندسہ بنے گا۔ یہ وہ عدد ہے جس کا صرف تصور کیا جاسکتا ہے۔

مزید وضاحت اس طرح کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تمام ضروری نیوکلوٹائیڈ بھی کہیں موجود ہیں اور ان کو مجتمع کرنے والے تمام پیچیدہ مالیکیول اور خامرے (enzymes) بھی سب مہیا کر دیے گئے ہیں تو ان نیوکلوٹائیڈ کا خاطر خواہ sequence میں ترتیب پا جانے کا امکان ۱۰ ^۶۰۰ میں سے ایک بار ہے، یعنی ڈی این اے کے خود بخود وجود میں آجانے کی probability ۱۰ ^۶۰۰ میں سے صرف ایک دفعہ کی ہے۔ ناممکن کہیں تو کم ہے۔

فرانسس کرک (Francis Crick) کو ڈی این اے کی ریسرچ پر نوبل انعام سے نوازا گیا۔ یہ خود بڑا پکا حامی ارتقا تھا مگر کہتا ہے کہ:

> ''ایک انصاف پسند انسان، اس معلومات کی روشنی میں جو اب تک ہمارے پاس ہے، صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ ایک خاص معنی ہیں، انسانی زندگی کی ابتدا اس وقت تو ایک کرشمہ ہی معلوم ہوتی ہے''۔۔

خیال رہے کہ بچوں میں (Haemophilia Leukemia) ڈی این اے کے کوڈ میں خرابی واقع ہو جانے سے ہوتا ہے۔ کینسر کی تمام قسمیں اسی نازک توازن کے بگڑ جانے سے ہوتی ہیں۔ یہ خرابی کسی بھی ایک ڈی این اے کے کسی ایک اساسی جوڑے میں توازن نہ ہونے سے ہو جاتی ہے۔ یہ خرابی A،T،G،C حروف میں مثلاً ایک بلین ۶۱۸ ملین ۷۴۵ ہزار اور ۶۳۲ ویں اساسی جوڑوں میں ہو سکتی ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں اساسی جوڑے، ہر خلیے میں ڈی این اے اور تمام ٹوٹتے بنتے اور تقسیم در تقسیم ہوتے خلیوں میں توازن برقرار رکھنے کا نظام بھی ڈی این اے کے کوڈ میں چھپا ہوتا ہے۔

ڈی این اے کا اپنی نقل بنانے کا عمل

ڈی این اے کی تحیر خیز دنیا میں اپنی ہی نقل یا خود ساختہ نقشِ ثانی بنانے (self replication) کا عمل انتہائی تیزی سے جاری رہتا ہے، سب جانتے ہیں کہ انسانی جسم کی ابتدا ماں کے پیٹ میں

ایک خلیے سے ہوتی ہے۔ پھر یہ خلیہ تقسیم ہو جاتا ہے اور نئے خلیے وجود میں آتے جاتے ہیں جو کہ ایک سے دو، دو سے چار، اور اسی طرح ۴-۸-۱۶، ۳۲-۶۴، ۱۲۸ کی نسبت سے تقسیم ہو کر جنم لیتے جاتے ہیں۔

خلیہ تقسیم ہو کر دوسرا خلیہ بناتا ہے اور ہر خلیے کو ایک ڈی این اے چاہیے اور ڈی این اے کڑی خلیے میں ایک ہی ہوتی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر تقسیم ہوتا ہوا خلیہ اپنا ہم شکل خود پیدا کرتا ہے۔ ہر خلیہ ایک خاص سائز کا ہوتا ہے۔ تقسیم ہو کر دوسرا خلیہ بنانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ خلیے میں شعور اور یہ ایقان کہاں سے آیا، خلیے کے ساتھ ساتھ ڈی این اے کی تقسیم کا خفیہ عمل بڑے دل چسپ طریقے پر ہوتا جاتا ہے۔

ڈی این اے کا مالیکیول جو شکل میں ایک چکر دار زینے کی طرح ہوتا ہے تقسیم ہو کر دو حصوں میں zip کی طرح کھل جاتا ہے۔ یہ دونوں طرف سے غائب ادھورے حصے اسی اطراف میں موجود مادہ سے اپنی انوکھی تکمیل کو پہنچتے ہیں اور ایک سے دوسرا ڈی این اے وجود میں آ جاتا ہے۔ تقسیم کے ہر دور میں خاص پروٹین اور خامرہ کسی ماہر روبوٹ (robot) کی طرح کام کرتے رہتے ہیں۔ تمام تفصیل کا ذکر ممکن ہے مگر اس کے لیے بہت سے صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔

خامرے (enzymes) وہ کارندے ہیں جو ہر قدم پر یہ چیک کرتے ہیں کہ کوئی غلطی اگر ہو گئی ہے تو فوری طور پر اس کی اصلاح ہو جائے۔ ہر منٹ میں ۳ ہزار اساسی جوڑے پیدا ہو جاتے ہیں اور نگرانی کرنے والے خامرے ضروری ترمیم، اصلاح اور رد و بدل بھی کرتے جاتے ہیں تا کہ نئے پیدا ہوئے ڈی این اے میں غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس لیے ڈی این اے کے حکم سے مرمت کر سکنے والے زیادہ خامرے پیدا ہوتے ہیں۔ گویا ڈی این اے میں خود اپنی حفاظت کا، اپنی افزائشِ نسل کا اور نسلوں کو محفوظ اور برقرار رکھنے کا مکمل پروگرام کوڈ کیا ہوا ہوتا ہے۔

اب دیکھیے کہ خلیے پیدا ہوتے ہیں اور مرتے جاتے ہیں۔ آپ کے جسم میں جو خلیے چھ ماہ پہلے تھے، ان میں سے آج ایک بھی باقی نہیں ہے۔ ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے، میرے سب خلیے مر چکے ہیں، مگر میں زندہ ہوں، اس لیے کہ ہر خلیے نے بروقت اپنا ہمزاد پیدا کرنے کا عمل مکمل کر لیا تھا۔ یہ عمل انتہائی مہارت سے مکمل ہوتا ہے کہ کسی غلطی کا امکان ۳ بلین اساسی جوڑوں میں سے صرف ایک میں ہو سکتا ہے اور یہ غلطی بھی بڑے اعلیٰ تکنیکی انداز میں سنوار دی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ خامرے جو پل پل ٹوٹتے بنتے بکھرتے اور سنورتے ڈی این اے کو پیدا کرنے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں وہ دراصل مختلف قسم کی پروٹین ہیں،

جن کے پیدا ہونے کی ترتیب اور سلسلہ بھی اسی ڈی این اے میں کوڈ کیا ہوا ہے اور اسی ڈی این اے کے حکم کے تابع ان کا نظام عمل چلتا ہے، جس کی افزائش کی دیکھ بھال ان کو کرنی ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

فلسفہ ارتقا کہتا ہے کہ انسان درجہ بہ درجہ کچھ فائدہ مند اتفاقات کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ خامرے اور ڈی این اے کا بیک وقت وجود میں آتے جانا اور ان کا انوکھا تال میل کسی بڑے تخلیق کار (Creator) کا کارنامہ ہے اور وہ ہستی اللہ کی ہے، دنیا بھر کے دانش ور یہ حقیقت جانتے جا رہے ہیں۔

سائنس کے پاس جواب نہیں ہے کہ ڈی این اے میں یہ معلومات کہاں سے آئیں، ہر زندہ شے، مچھلی، کیڑے مکوڑے، چرند و پرند اور انسان کے ڈی این اے مختلف کیوں ہوتے ہیں، خود ڈی این اے کا وجود اور ابتدا کیسے ہوئی۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے آر این اے کی ایک علیحدہ دنیا کا پتا چلا کہ خامرے کو آر این اے چلاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ زندگی دینے والے عناصر در عناصر مالیکیول، خلیہ، ڈی این اے، آر این اے، خامروں اور ہزاروں پروٹین سب جمع کر لیے جائیں تو بھی زندگی نہیں ملتی۔ تھک ہار کر ماننا پڑتا ہے کہ زندگی صرف تخلیق (creation) کے ذریعے ممکن ہے اور یہ خالق (Creator) کون ہے؟

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں.......... وہ اس کے علم میں سے کسی کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے.......... وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے"---

[البقرہ،۲:۲۵۵]

(بہ شکریہ ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، نومبر ۲۰۰۷ء)



"اللہ تعالیٰ رحم مادر پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ جب بچے کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اس کی سعادت و شقاوت اور اس کے رزق اور عمر کی مقدار رحم مادر ہی میں لکھ دیتا ہے"---

[(مفہوم حدیث) صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب مخلقۃ و غیر مخلقۃ]

اخلاق و کردار

چوتھی قسط

چند اچھی باتیں

شیخ الحدیث عبد المصطفیٰ اعظمی

1 حلم

غصہ برداشت کر لینا اور غصہ دلانے والی باتوں پر غصہ نہ کرنا، اس کو حلم اور بردباری کہتے ہیں۔ یہ مسلمان کی بہت ہی بلند مرتبہ عادت ہے اور اس عادت والے کو خداوند قدوس دنیا و آخرت میں بڑے بڑے مراتب و درجات عطا فرماتا ہے۔ چناں چہ قرآنِ مجید میں ربّ العزت ﷻ نے فرمایا:

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ ---[آل عمران: ۱۳۴]

''غصہ کو پی جانے والوں اور لوگوں کو معاف کر دینے والوں اور اس قسم کے اچھے اچھے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیتا ہے''---

اللہ اکبر! غصہ کو ضبط اور برداشت کرنے والوں کو خداوند قدوس اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ سبحان اللہ! کوئی بندہ یا بندی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پیارا بن جائے، اس سے بڑھ کر اور کون سی

دوسری نعمت ہوسکتی ہے؟

لہٰذا پیاری بہنو اور بھائیو! تم اپنی یہ عادت بنالو کہ کوئی کتنی ہی سخت بات تم کو کہہ دے مگر تم اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلو اور اگر غصہ آجائے تو غصہ کو پی جاؤ اور ہرگز ہرگز اپنے غصہ کا اظہار نہ کرو، نہ کوئی انتقام لو۔ اگر تم نے یہ عادت ڈالی تو پھر یقین کرلو کہ تم خدا اور اس کی تمام مخلوق کے پیارے بن جاؤ گے اور خداوند کریم ﷻ بڑے بڑے درجات و مراتب کا تم کو تاج پہنا کر نیک بختی اور خوش نصیبی کا تاج دار بنادے گا۔

2 تواضع و انکساری

اپنے کو دوسروں سے چھوٹا اور کم تر سمجھ کر دوسروں کی تعظیم و تکریم کے ساتھ خاطر و مدارت کرنی، اس عادت کو تواضع و انکساری کہتے ہیں۔ یہ نیک عادت درحقیقت جوہرِ نایاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اس عادت کی توفیق عطا فرمادیتا ہے، گویا اس کو خیر کثیر کا خزانہ عطا فرمادیتا ہے، جو شخص ہر ایک کو اپنے سے بہتر اور اپنے کو سب سے کم تر سمجھے گا، وہ ہمیشہ گھمنڈ اور تکبر کی شیطانی خصلت سے بچا رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہاں میں سربلندی اور عزت و عظمت کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنادے گا۔ حدیث شریف میں ہے:

مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ---[احیاء العلوم، جلد۳، صفحہ ۳۴۰]

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تواضع اور انکساری کی خصلت اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرمائے گا''---

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

مرا پیر دانائے روشن شہاب　　دو اندوز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش　　دگر آں کہ بر غیر بد بیں مباش

''مجھ کو میرے پیر عارفِ خدا اور روشن دل شیخ شہاب الدین سہروردی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے دریائی سفر میں کشتی پر یہ دو نصیحت فرمائی ہیں، ایک یہ اپنے کو اچھا اور بڑا نہ سمجھو اور دوسرا یہ کہ دوسروں کو برا اور کم تر نہ سمجھو بلکہ سب کو اپنے سے بہتر اور اپنے کو سب سے کم تر سمجھ کر دوسروں کے سامنے تواضع و انکساری کا مظاہرہ کرتے رہو اور خبردار! ہرگز ہرگز کبھی بھی تکبر اور گھمنڈ کی شیطانی ڈگر پر چل کر دوسروں کو اپنے سے حقیر نہ سمجھو''---

یاد رکھو کہ تواضع، عاجزی اور انکساری کی عادت رکھنے والا آدمی، ہر شخص کی نظروں میں عزیز

ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی سے ہر شخص نفرت کرنے لگتا ہے، اس لیے ہر مرد و عورت کو لازم ہے کہ تواضع کی عادت اختیار کرے اور کبھی بھی ہرگز تکبر اور گھمنڈ نہ کرے۔

3 عفو و درگزر

اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی کر بیٹھے یا ایذاء پہنچائے یا کسی سے کوئی خطا یا قصور ہو جائے یا تمھیں کسی طرح کا نقصان پہنچائے تو بدلہ و انتقام لینے کی بجائے اس کو معاف کر دینا، یہ بہت ہی بہترین خصلت اور نہایت ہی نفیس عادت ہے۔ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دینا یہ قرآن مجید کا مقدس حکم اور رسولوں کا مبارک طریقہ ہے۔ خداوندِ قدوس نے قرآنِ مجید میں فرمایا:

﴿وَ اعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا﴾ ---[البقرہ:۱۰۹]

''لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دو اور درگزر کی خصلت اختیار کرو'' ---

ہمارے رسولِ کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مجرموں اور خطا کاروں کو جنھوں نے برسوں تک آپ ﷺ پر طرح طرح کے ظلم کیے تھے، فتح مکہ کے دن جب یہ سب مجرمین آپ ﷺ کے سامنے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے، آپ ﷺ نے ان سب مجرموں کی خطاؤں کو معاف فرما دیا اور کسی سے بھی کوئی انتقام اور بدلہ نہیں لیا، جس کا یہ اثر ہوا کہ تمام کفارِ مکہ نے اس اخلاقِ محمدی سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھ لیا۔

عزیز بھائیو اور پیاری بہنو! تم بھی اپنی یہی عادت بنالو کہ گھر یا گھر کے باہر ہر جگہ لوگوں کے قصور کو معاف کر دیا کرو، اس سے لوگوں کی نظروں میں تمہارا وقار بڑھ جائے گا اور خداوند کریم بھی تم پر مہربان ہو کر تمہاری خطاؤں کو بخش دے گا۔

4 صبر و شکر

مصیبتوں اور جسمانی و روحانی تکلیفوں پر اپنے نفس کو اس طرح قابو میں رکھنا کہ نہ زبان سے کوئی برا لفظ نکلے، نہ گھبرا گھبرا کر اور پریشان حال ہو کر اِدھر اُدھر بھٹکتا اور بھاگتا پھرے، بلکہ بڑی سے بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے سامنے عزم و استقلال کے ساتھ جم کر ڈٹے رہنا، اس کا نام ''صبر'' ہے۔ صبر کا کتنا بڑا ثواب اور اجر ہے، اس کو بچہ بچہ جانتا ہے۔ قرآن مجید میں خداوند کریم کا فرمان عالی شان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ٥﴾ ---[البقرہ:۱۵۳]

''صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوا کرتی ہے'' ---

اور خداوند کریم نے اپنے حبیب ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾---[الاحقاف:۳۵]

"اے محبوب! آپ اسی طرح صبر کریں، جس طرح تمام ہمت والے رسولوں نے صبر کیا ہے"---

اس دنیا میں رنج وراحت اور غمی وخوشی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر شخص کو اس دنیاوی زندگی میں تکلیف اور آرام دونوں سے پالا پڑنا ضروری ہے، اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ کوئی نعمت وراحت ملے تو اس پر خدا کا شکر ادا کرے اور کوئی تکلیف ورنج پہنچے، تو اس پر صبر کرے۔ غرض صبر کی عادت ایک نہایت ہی بہترین عادت ہے اور مثل مشہور ہے کہ صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوا کرتا ہے، اس لیے ہر مرد وعورت کو چاہیے کہ صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

5 قناعت

انسان کو جو کچھ خدا کی طرف سے مل جائے، اس پر راضی ہو کر زندگی بسر کرتے ہوئے حرص اور لالچ کو چھوڑ دینا اس کو "قناعت" کہتے ہیں۔ قناعت کی عادت انسان کے لیے خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔ قناعت پسند انسان سکون واطمینان کی دولت سے مالا مال رہتا ہے اور حریص اور لالچی انسان ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے قناعت تونگرم گرداں
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

"اے قناعت کی عادت! تو مجھ کو تونگر اور مال دار بنا دے، کیوں کہ تجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہے"---

ہر انسان خصوصاً عورتوں کو چاہیے کہ ان کو بیٹے، شوہروں کی طرف سے جو کچھ مل جائے اس پر راضی رہ کر قناعت کریں اور دوسری عورتوں کی دیکھا دیکھی حرص اور لالچ کی عادت سے ہمیشہ دور رہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی زندگی نہایت ہی سکون واطمینان کے ساتھ بسر ہو گی اور نہ وہ خود پریشان حال رہیں گی، نہ اپنے شوہر کو پریشانی میں ڈالیں گی۔

6 رحم و شفقت

خدا کی ہر مخلوق انسان ہو یا جانور، اگر وہ رحم کے لائق ہوں تو ان پر رحم کرنا اور ان کے ساتھ مہربانی وشفقت کا سلوک اور برتاؤ کرنا یہ انسان کی بہترین خصلت اور اعلیٰ درجے کی قابلِ تعریف عادت ہے

اور دنیا و آخرت میں اس پر بے حد ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ---[مشکوٰۃ، جلد۲، صفحہ۴۲۳، مجتبائی]

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، اے لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''---

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

نرم خوئی، مہربانی اور رحم و کرم کی عادت خداوند کریم ﷻ کی بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

''جس کو رِفق اور نرم دلی کی عادت خداوند کریم کی طرف سے عطا کر دی گئی، اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا بہت بڑا حصہ مل گیا اور جو نرم دلی اور رحم و مہربانی کی خصلت سے محروم کر دیا گیا، وہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہو گیا''---

[مشکوٰۃ، جلد۲، صفحہ۴۳۱، مجتبائی]

7 خوش اَخلاقی

ہر ایک کے ساتھ خوش روئی اور خوش اَخلاقی کے ساتھ پیش آنا، یہ وہ پیغمبرانہ خصلت ہے، جس کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا---[مشکوٰۃ، جلد۲، صفحہ۴۳۱]

''تم سب مسلمانوں میں سب سے زیادہ مجھے وہ شخص محبوب ہے، جس کے اَخلاق اچھے ہوں''---

ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ! سب سے بہترین چیز، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے، وہ کیا ہے؟''

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھے اخلاق''---

اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزن دار، نیکی اور

اچھے اخلاق ہوں گے"۔۔۔

ہر مرد و عورت کو لازم ہے کہ اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں، بلکہ ہر ملنے جلنے والے کے ساتھ خوش اَخلاقی کے ساتھ پیش آئے، خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے لوگوں سے ملنا جلنا بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی عادت اور ثواب کا کام ہے۔ جو لوگ ہر وقت گال پھلائے، منہ لٹکائے اور پیشانی پر بل ڈالے ہوئے، تیوری چڑھائے ہوئے، ہر آدمی سے بداَخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں، وہ بہت ہی منحوس و مغرور ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی سعادتوں اور خوش نصیبیوں سے محروم ہیں۔ نہ ان کو کبھی خوشی نصیب ہوتی ہے، نہ ان سے مل کر دوسروں کا دل خوش ہوتا ہے۔ بلکہ ایسے مردوں اور عورتوں کے چہروں پر ہر وقت ایسی رعونت اور نحوست برستی رہتی ہے کہ ان کا چہرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی ابھی سو کر اٹھے ہیں اور ابھی منہ نہیں دھویا ہے۔

8 حیاء

ہر آدمی خصوصاً عورتوں کے حق میں حیاء کی عادت وہ انمول زیور ہے، جو عورت کی عفت و پاک دامنی کے دار و مدار اور نسوانیت کے حسن و جمال کی جان ہے۔ جس مرد یا عورت میں حیاء کا جوہر ہوگا وہ تمام عیب لگانے والے اور برے کاموں سے فطری طور پر رک جائے گا اور تمام رزائل سے پاک و صاف رہ کر اچھے اچھے کاموں اور فضائل و محاسن کے زیورات سے آراستہ ہو جائے گا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔۔۔[بخاری، جلد ۱، کتاب الایمان، صفحہ ۶]

"حیاء، درختِ ایمان کی ایک بہت بڑی شاخ ہے"۔۔۔

9 صفائی، ستھرائی

یہ مبارک عادت بھی مردوں اور عورتوں کے لیے نہایت ہی بہترین خصلت ہے، جو انسانیت کے سر کا ایک بہت ہی قیمتی تاج ہے۔ امیری ہو یا فقیری، ہر حال میں صفائی و ستھرائی انسان کے وقار و شرف کا آئینہ دار اور محبوبِ پروردگار ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا یہ اسلامی نشان ہے کہ وہ اپنے بدن، اپنے مکان و سامان، اپنے دروازے اور صحن وغیرہ ہر ہر چیز کی پاکی اور صفائی و ستھرائی کا ہر وقت دھیان رکھے۔ گندگی اور پھوہڑ پن انسان کی عزت و عظمت کے بدترین دشمن ہیں، اس لیے ہر مرد، عورت کو ہمیشہ صفائی ستھرائی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ صفائی ستھرائی سے صحت و تن درستی بڑھتی ہے اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے''۔۔۔

رسول اللہ ﷺ کو پھوہڑ اور میلے کچیلے رہنے والے لوگوں سے بے حد نفرت تھی۔ چناں چہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صفائی ستھرائی کا حکم دیتے اور اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

پھوہڑ عورتیں، جو صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتی ہیں، وہ ہمیشہ شوہروں کی نظروں میں ذلیل و خوار رہتی ہیں، بلکہ بہت سی عورتوں کو ان کے پھوہڑ پن کی وجہ سے طلاق مل جاتی ہے۔ اس لیے عورتوں کو صفائی ستھرائی کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔

10 سادگی

خوراک، پوشاک، سامانِ زندگی، رہن سہن، ہر چیز میں بے جا تکلفات سے بچنا اور زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی رکھنا، یہ بہت ہی پیاری عادت اور نہایت ہی نفیس خصلت ہے۔ سادہ طرزِ زندگی میں امیری ہو یا فقیری، ہر جگہ ہر حال میں راحت ہی راحت ہے۔ اس عادت والا آدمی نہ کسی پر بوجھ بنتا ہے، نہ خود قسم قسم کے بوجھوں سے زیر بار ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی مقدس بیویوں کا وہ مبارک طریقہ ہے، جو تمام دنیا کے مردوں اور عورتوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ سادگی کی زندگی بسر کر کے رسول اللہ ﷺ کی اس سنتِ کریمہ پر عمل کرے اور دنیا و آخرت کی راحتوں اور سعادتوں سے سرفراز ہو۔

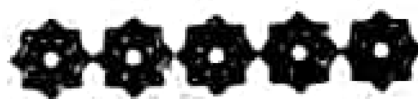
11 سخاوت

اپنی طاقت اور حیثیت کے لحاظ سے سخاوت کی عادت ایک نہایت نفیس خصلت ہے۔ چناں چہ کنجوسی کے بیان میں سخاوت کی فضیلت اور اس کے بارے میں حدیث شریف ہم تحریر کر چکے ہیں۔

12 شیریں کلامی

ہر آدمی سے بات چیت کرنے میں نرم لہجہ اور شیریں زبانی کے ساتھ گفتگو کی عادت، یہ انسانی خصائل میں سے بہترین عادت ہے، اس سے ہر آدمی کا دل جیتا جا سکتا ہے۔ گفتگو میں کڑوا لہجہ، چیخنا چلانا، ڈانٹ پھٹکار، منہ بگاڑ کر جواب دینا، یہ اتنی مردود عادتیں ہیں کہ ان سے آدمی ہر ایک کی نظر میں قابلِ نفرت ہو جاتا ہے۔

[جاری ہے]



پہلی قسط

اسلام اور آدابِ معاشرت

سید ابوبکر غزنوی

دین محض نماز روزے کا نام نہیں۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ جو زیادہ تسبیح پھیرتا ہے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، وہ زیادہ دین دار ہے۔ بعض لوگ اللہ کے حقوق کے علاوہ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی خیال رکھتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، جنھیں یہ فہم حاصل ہو کہ آدابِ معاشرت (Manners) کو دین میں ایک مقام حاصل ہے۔ آدھا دین تو تہذیب و شائستگی سے عبارت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ وَ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ---

''میرے رب نے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم عطا کیا، میرے رب نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی''---

اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم کے علاوہ تہذیب و شائستگی کا ذکر جدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب و شائستگی کو اسلام میں ایک مستقل مقام حاصل ہے۔

یہ بات یاد رکھیے کہ محض کتابیں رٹنے سے آپ کرم کتابی تو بن سکتے ہیں لیکن آپ کی شخصیت

ادھوری اور آپ کا دین بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ بقول آزاد:

''ادھوری سچائیاں ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے''---

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا، جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے، ایک گواہ کے بارے میں تو انھیں علم تھا کہ وہ قابل اعتماد ہے، لیکن دوسرے گواہ کی ثقاہت کا حال انھیں معلوم نہ تھا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا: تم میں سے کوئی شخص گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص قابل اعتماد ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ثقہ ہے۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتماد ہے؟

هَلْ جَاوَرْتَهُ أَمْ صَحِبْتَ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الَّذِيْ يُسْفِرُ عَنِ الْحَقِيْقَةِ أَمْ عَقَدْتَ مَعَهُ عَقْدًا---

''کیا تو اس کے پڑوس میں رہا ہے یا اس کے ساتھ سفر کیا ہے، جو انسان کی قلعی کھول دیتا ہے یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کیا ہے''---

اس نے کہا: ان میں سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ رَأَيْتَهُ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَأَنْتَ لَا تَعْرِفُهُ---

[ازالۃ الخفاء]

''شاید تم نے اسے نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے دیکھا ہے، تم تو اسے نہیں جانتے ہو''---

کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ میں آداب معاشرت کی تمام تفصیلات شرح وبسط سے موجود ہیں۔ آیئے ہم اس کا ایک مختصر جائزہ لیں:

مسکرانا نیکی ہے

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ---[ترمذی، ۱۹۵۶/ بیہقی، جلد۵، صفحہ ۱۱۸]

''اپنے بھائی سے ملتے ہوئے مسکرانا بھی نیکی ہے''---

اسلام دین فطرت ہے، وہ اسے ایک غیر فطری اور غیر طبعی بات قرار دیتا ہے کہ اس زندہ اور حسین کائنات میں جہاں چہچہاتے ہوئے پرندے، لہلہاتے ہوئے پودے، سرسبز وشاداب وادیاں اور ابلتے ہوئے چشمے ہیں، ہم ایک روکھا، پھیکا اور بجھا ہوا چہرہ لے کر پھریں۔ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں:

مَا رَأَیْتُ أَحَدًا کَانَ أَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ---[ترمذی:۳۶۴۱]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکراتا ہوا چہرہ نہیں دیکھا''---

شکریہ ادا کرنا

یہ جو ہم لوگ بات بات پر شکریہ ادا کرنے کے عادی ہیں، تو یہ خالص اسلامی بات ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ---

[ترمذی:۱۹۵۵/مسند احمد، جلد۲، صفحہ ۲۵۷]

یعنی جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا ہے، وہ انسان جو سامنے نظر آتے ہیں، وہ خدا کی نعمتوں کا کفران بدرجہ اَولیٰ کرتا ہے، وہ خدا جس کی ذات ناقابل ادراک ہے۔

اسلام نے آداب معاشرت کے جو خطوط متعین کیے ہیں، ان کا مقصد دوسروں کو راحت پہنچانا ہے اور معاشرے میں خوش گواری پیدا کرنا ہے۔ اسی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَفْشُوا السَّلَامَ--- ''سلام پھیلاؤ''---

[ترمذی:۱۸۵۴/ابن ماجہ:۱۳۳۴، ۳۲۵۱/کنز العمال:۲۵۲۵۰، ۲۵۲۵۱]

ایک دوسرے کو سلام کرنے میں بخل نہ کرو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا---[النساء:۸۶]

''جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے زیادہ گرم جوشی اور تپاک سے جواب دو یا کم از کم اتنا تو ضرور لوٹادو''---

میں نے کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم انھیں سلام کرے تو وہ فیلٹ کے ساتھ گردن کو ذرا سا جھکا دیتے ہیں اور ہونٹوں کو جنبش دینا بھی گوارا نہیں کرتے، ان کا یہ عمل غیر اسلامی ہے اور ہرگز لائق تحسین نہیں۔ یہ سب (Complexes) کی باتیں ہیں۔

میں نے ایک بار امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مفردات میں سلام کا معنی دیکھا، اس میں لکھا تھا:

اَلسَّلَامُ: اَلتَّعَرِّیْ مِنَ الْآفَاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ---

''ظاہری اور باطنوں آفتوں سے محفوظ رہنا''---

پس جب ہم کسی کو السلام علیکم کہتے ہیں، تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ تم جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر عافیت میں رہو۔ میں جذبات سے ہٹ کر خالص لغوی اور معنوی اعتبار سے کہتا ہوں کہ دنیا کی کسی قوم کے آداب بجالانے کا طریقہ مسلمانوں کے سلام سے لگا نہیں کھاتا۔ جو السلام علیکم کے مفہوم میں وسعت اور جامعیت ہے، وہ مفہوم (Good Morning) یا (Good Night) میں کہاں؟

مصافحہ

اسلام نے محبت کے اظہار کے لیے سلام کے علاوہ مصافحہ رکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا---

[ابوداؤد: ۵۲۱۲/ ترمذی: ۲۷۲۷/ ابن ماجہ: ۳۷۰۳/ کنز العمال: ۲۵۳۴۰]

"اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہوئے اخوت دینی کی بنا پر مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے بخش دیے جاتے ہیں"---

معانقہ

جب کوئی شخص مدت کے بعد ملے یا لمبے سفر سے لوٹے، تو اس کے ساتھ اظہار محبت کے لیے معانقہ یعنی آپس میں گلے ملنا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور حضور ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور ﷺ نے اس وقت کرتا اتارا ہوا تھا، آپ اسی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگا لیا اور انھیں چوما۔ اسی طرح جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے اور آپ ﷺ سے ملے، تو حدیث میں آتا ہے:

فَالْتَزَمَهُ وَ قَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ---[ابوداؤد: ۵۲۲۰]

"حضور ﷺ ان سے چمٹ گئے اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا"---

اسلام میں پرائیویسی کا تصور

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی کے کمرے میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا---[النور، ۲۴: ۲۷]

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو،

جب تک کہ تم گھر والوں کو اطلاع نہ دو اور انھیں سلام نہ کرو"---

انسان کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کی نگاہ اس پر پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صرف اجازت لینے ہی کی تلقین نہیں کی، بلکہ اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کے ہاں جاؤ تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوا کرو، دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہونے کے آداب بھی صحت تعین سے فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے مستقل باب باندھا: بَابٌ کَیْفَ یَقُوْمُ عِنْدَ الْبَابِ یعنی انسان دروازے کے پاس کس طرح کھڑا ہو۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں سے اندر جھانکا، نبی پاک ﷺ ایک کنگھے سے اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو یہ کنگھا تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا۔ آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا جُعِلَ الِاسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ ---

[بخاری: ۵۹۲۴/ مسلم: ۲۱۵۶/ ترمذی: ۲۷۰۹/ مسند امام احمد، جلد ۵، صفحہ ۳۳۰]

"اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لیے دیا گیا ہے کہ اندر نگاہ نہ پڑے"---

یعنی جب تم اندر دیکھ رہے ہو تو اس سے میری پرائیویسی میں تو تم نے خلل ڈال دیا ہے، اب اجازت مانگنے سے کیا حاصل؟ پرائیویسی کا جو مفہوم حضور ﷺ نے متعین کیا تھا، اس دور کی متمدن قومیں اس میں رتی بھر اضافہ نہیں کر سکیں۔ ابوداؤد میں ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ إِذَا أَتٰی بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ ---[ابوداؤد: ۵۱۸۶]

"جب حضور ﷺ کسی کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے"---

قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ ---[النور، ۲۴: ۲۸]

"اگر تمہیں کہا جائے لوٹ جایئے، تو لوٹ جایئے۔ تمہارے معاملات کی صفائی کے لیے یہی بہتر ہے"---

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی جنجال میں پھنسا ہوتا ہے یا بہت مضمحل ہوتا ہے یا اس پر کوئی ایسی افتاد پڑی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے آنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ جھوٹے بہانے تراشنے کی بجائے معذرت کرنی چاہیے اور یہ حکم دیا کہ آنے والے کو بھی معذرت قبول کرنی چاہیے۔ اس آیت پر عمل کرنے والے لوگ عنقا ہوئے۔ آج کل کسی بڑے سے بڑے متشرع آدمی سے کہیے کہ دوسرے وقت ملنے آیئے تو دیکھیے کیسے بھناتا ہے؟

قرآن مجید نے ہمیں تلقین کی کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں کسی کے ہاں جانا مناسب نہیں، حتیٰ کہ بچوں اور غلاموں کو بھی، جو ہر وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں، اجازت لینی چاہیے:

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ حِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ---[النور، ۲۴:۵۸]

"تین اوقات فجر کی نماز سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم کپڑے اتار لیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین تمہاری پردہ داری کے اوقات ہیں"---

مکان کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینا

آپ کسی سے ملنے جایئے تو اسے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے آوازیں دینا اسلامی نقطہ نظر سے ناشائستگی ہے، قرآن کہتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ---[الحجرات، ۴۹:۴]

"وہ لوگ جو تمہیں کمروں سے باہر ہو کر زور زور سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر عقل سے عاری ہیں"---

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہم احادیث اور مستند تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کا دروازہ ناخنوں سے آہستگی کے ساتھ کھٹکھٹاتے تھے۔

[مناھل الصفا للسیوطی، صفحہ ۹۹۸/ الشفاء للقاضی عیاض، جلد ۲، صفحہ ۹۰]

آداب مجلس

حضور ﷺ نے آداب مجلس کا بھی تعین اور توضیح فرما دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی مجلس میں جاؤ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرو۔ محدثین نے مستقل باب باندھا:

بَابٌ یَجْلِسُ الرَّجُلُ حَیْثُ اِنْتَھٰی ---

''آدمی کو وہیں بیٹھ جانا چاہیے، جس جگہ مجلس ختم ہوتی ہو''---

یہ جو آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ محفل سے کوئی عارضی طور پر اٹھ جائے تو واپس آ کر وہی اس جگہ بیٹھنے کا حق دار ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ یہ بات آج کل کی تہذیب کی پیداوار ہے، یہ تو حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِہٖ ثُمَّ رَجَعَ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ---

[ابوداؤد:۴۸۵۳/ابن ماجہ:۳۷۱۷]

''جب کوئی آدمی مجلس سے اٹھ جائے، پھر لوٹے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے''---

اسلام نے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرنے کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں ہے:

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا---[المجادلۃ،۵۸:۱۰]

''سرگوشی شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمان کو رنجیدہ کرے''---

جب دو آدمی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرتے ہیں تو دوسروں کو خیال آتا ہے کہ شاید ہماری ہی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کم از کم یہ گمان تو ہوتا ہی ہے کہ انھوں نے ہمیں اس قابل نہ سمجھا کہ ہمیں اس راز میں شریک کریں۔ چوں کہ اہلِ مجلس کو اس سے خفت ہوتی ہے، اس لیے مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔

آج کل کی مہذب قوموں کے افراد گفتگو دھیمی آواز میں کرتے ہیں اور چیخ چیخ کر بات کرنے کو ناشائستگی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ دھیمی آواز میں بات چیت کرنا نئی تہذیب کی پیداوار ہے۔ قرآن مجید نے اندازِ گفتگو کا سلیقہ بھی ہمیں سکھایا ہے:

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ○---

[لقمٰن،۳۱:۱۹]

''اپنی آواز کو دھیما رکھ، سب سے بھدی اور بھونڈی آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے''---

مجلسِ نبوی ﷺ میں بیٹھنے کے آداب بھی قرآن مجید نے سکھائے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ---[الحجرات،۴۹:۲]

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور

ان کے ساتھ اونچی آواز میں بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں بے تکلفی سے کرلیا کرتے ہو"---

اور یہ بھی فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی---[الحجرات،۴۹:۳]

"یقیناً جو لوگ اپنی آوازیں بارگاہ رسالت ﷺ میں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے منجھ گئے ہیں"---

یہ سمجھنا صریحاً خام کاری ہے کہ قرآن مجید نے مجلس نبوی ﷺ میں جن آداب کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، ان کا تعلق صرف مجلس نبوی ﷺ ہی سے تھا۔ کیا مجلس نبوی ﷺ کے اٹھ جانے کے بعد یہ آیتیں معطل ہوگئی ہیں اور ان کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی......؟

بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہمیں مجلس نبوی ﷺ ہی سے سیکھنا ہیں اور بزرگوں کو اہل محفل سے برتاؤ کا ڈھنگ بھی بارگاہ رسالت ﷺ ہی سے سیکھنا چاہیے۔ ہم شمائل ترمذی میں پڑھتے ہیں:

"آپ ﷺ ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصے سے نوازتے ہیں، یعنی ہر ایک کی طرف جدا جدا التفات فرماتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہر ایک ہم نشین یہ سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کو کوئی عزیز نہیں۔ آپ ﷺ کشادہ رو اور نرم خو تھے، سخت مزاج اور درشت گو نہ تھے۔ چلا کر نہیں بولتے تھے، نہ کسی کے عیب نکالتے تھے۔ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات آپ ﷺ کو ناگوار ہوتی تو اس سے تغافل فرماتے، یعنی اس پر گرفت نہ فرماتے اور صراحۃً اس سے مایوسی بھی نہ فرماتے، بلکہ خاموش ہوجاتے"---

بے جا مداخلت نہ کیجیے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد آداب معاشرت کا ایک زرّیں اصول ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ---

[صحیح لغیرہ، ترمذی:۲۴۱۹/ابن ماجہ:۳۹۷۶]

"آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ غیر متعلق بات میں دخل نہ دے"---

دوسروں کے معاملات میں بے جا دخل دینے کی بیماری عورتوں میں نسبتاً زیادہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی اور گھریلو معاملات کرید کرید کر پوچھنے میں انھیں لذت آتی ہے۔ چھپی ہوئی باتوں کی ٹوہ لگاتی ہیں۔ بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ چھوٹتے ہی پوچھتے ہیں، تمہاری آمدنی کتنی ہے؟ بعض لوگ فریقین کی خواہش اور آمادگی کے بغیر خود بخود ہی ثالث بن بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے جا دخل اندازی میں داخل ہیں اور اسلام انہیں مذموم قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے:

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا---[البقرۃ،۲:۸۳]

''لوگوں سے بھلی اور خوش گوار بات کہو''---

اور مومنوں کا یہ وصف بھی بیان کرتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَO---[المومنون،۲۳:۳]

''وہ لغو اور بے ہودہ بات سے پہلو تہی کرتے ہیں''---

بات ٹھہر ٹھہر کر کیجیے

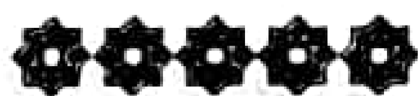
میرے ایک عزیز مجھے کہنے لگے کہ جدید رجحان (MOdren Trend) تو یہ ہے کہ بات کرتے وقت ہر لفظ بلکہ ہر حرف کا تلفظ صاف، واضح (Clearly) اور جدا جدا (Distinctly) کیا جائے۔ میں نے ان سے کہا، یہ رجحان جدید کیوں کر ہوا؟ اس کی تلقین تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں:

کَانَ کَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم کَلَامًا فَصْلًا یَفْهَمُهٗ کُلُّ مَنْ سَمِعَهٗ---[ابوداؤد:۴۸۳۹/کنز العمال:۱۸۴۳۳/مسند احمد، جلد۶، صفحہ۱۳۸]

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتگو کرتے تو ہر لفظ جدا جدا بولتے، تمام لوگ جو اسے سنتے وہ سمجھ جاتے''---

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پہلو میں بیٹھ کر حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنا شروع کی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ٹوکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے، بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

[جاری ہے]



احتساب ---احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

راجا رشید محمود

جب اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کہتے ہیں تو عام طور سے صرف یہ قرار دیتے ہیں کہ اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ مقدسہ میں ایسے معاملات و مسائل میں بھی رہنما اصول دیے گئے ہیں جو ہمیں قیامت تک کے عرصے میں پیش آتے رہیں گے۔ ہم قرآن و احادیث سے معاشیات و اقتصادیات، معاشرت و سماجیات، سیاسیات اور ضرورت کے مطابق دیگر پہلوؤں کے بارے میں ضروری نکات کی تلاش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تلاش میں کامیاب رہتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سے استفادے کی یہ صورت مثالی نہیں۔ جو آئین دنیا میں مروّج ہیں، ان میں اور اسلام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ دانش وروں اور قانون دانوں کے بنائے ہوئے ہیں جب کہ یہ دانش و قانون کے خالق کا نافذ کردہ ہے۔ بندوں کے مرتب کردہ مسودۂ آئین میں مختلف شعبہ ہائے حیات کے لیے الگ الگ اصول مرتب ہوتے ہیں، جن پر بعد میں قانون سازی کی جاتی ہے، مگر خلاقِ عوالم (عزوجل) کے دیے ہوئے آئین میں حیاتِ انسانی کے تمام انفرادی اور اجتماعی زاویوں کو درست سمت دکھائی گئی ہے

اوراس میں کسی شعبۂ زندگی کے لیے الگ ضوابط مقرر نہیں ہوئے۔ ہر شعبۂ حیات دوسرے شعبۂ حیات سے پوری طرح مربوط ومنسلک ہے اوراسی انسلاک وارتباط کے باعث وہ برگ وبار دیتا ہے، جوخالق ہر کائنات کا منشا ہیں۔[۱]

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، ان معنوں میں کہ اس کے ایک ایک حکم، تشویق وتحریک کی ایک ایک شق اور ہدایت کی ایک ایک شکل میں ہمہ پہلو رہنمائی ملتی ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں ایتائے زکوٰۃ کو شامل رکھا گیا ہے، جودر حقیقت حقوق العباد کو پورا کرنے کی بہت بڑی شق ہے، اس کا تعلق حسنِ معاشرت سے بھی ہے۔ یہی معاشیات کی ابجد ہے اور عبادت تو یہ بنیادی طور پر ہے ہی۔

اسلام ایسا دین ہے، جس میں پورے کے پورے داخل ہوجانے کا الوہی حکم موجود ہے[۲] اس میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم عبادت تو اپنے آقا ومولیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کے بتائے ہوئے طریقے پر کرلیں لیکن معاشیات کے لیے کسی یہودی کے در پر ہاتھ پھیلائیں اور سیاست وحکومت کے گر سیکھنے کے لیے ''مغرب'' کی دریوزہ گری کریں۔ کیوں کہ یہاں ایک ایک نکتے میں کئی نظام پوشیدہ نظر آتے ہیں، ایک ایک ہدایت میں حیاتِ انسانی کی کئی جہتوں کو روشنی ملتی ہے، اس طرح مختلف منازل کو طے کرنے کے لیے یہی ایک ''صراطِ مستقیم'' کافی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً باجماعت نماز کا تصور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی حیثیت میں نظامِ عبادات کی اساس ہے، وہاں معاشرے میں اونچ نیچ، نسل ورنگ کے اختلافات اور امیر وغریب کی طبقاتی تفریق کو ختم کرنے کی بنیاد بھی ہے۔ یہی کام اجتماعیت کا شعور اجاگر کرنے کی راہ ہے اور الفت، پیار، اخلاص اور ایثار کے ذریعے ایک مثالی، صالح اور مخاصموں سے پاک معاشرہ تشکیل دینے میں پہلے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب آپ ربِ کریم (جل شانہ العظیم) اور اس کے محبوبِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کے احکام وارشادات میں سے کسی کی تعمیل میں کوشاں ہوتے ہیں تو دراصل زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کے لیے کام کررہے ہوتے ہیں۔ مثلاً حضور سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''گوشت پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کرلیا کرو اور اپنے ہمسائیوں کا خیال رکھو''---[۳]

حضور پرنور ﷺ کا حکم ہونے کی حیثیت میں یہ عبادت ہے۔ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی شکل میں یہ حسنِ معاشرت کی اعلیٰ مثال ہے اور جب ہر آدمی اس طرح اپنے ہمسائے کا

خیال رکھے گا تو پورے معاشرے میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ معیشت کا بنیادی مسئلہ حل کرنے کی مثالی صورت بھی ہے۔ نیز یوں اخوت کا رشتہ جس طرح مضبوط و مستحکم ہوگا، جس طرح محبتیں بڑھیں گی، جس طرح ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا احساس قوی ہوگا، وہی اسلام کا مطلوب و مقصود ہے۔

جہاں تک احتساب کا تعلق ہے، اسلامی تعلیمات میں اس کا عمل دخل مومن کی ہر انفرادی اور مومنوں کی ہر اجتماعی کارروائی یا کارکردگی میں ہے اور جب تعلیماتِ خدا اور رسولِ خدا (ﷻ و ﷺ) کے متعلق اس حوالے سے بات کی جائے تو "بے لاگ" کا سابقہ غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کے کسی ضابطے میں لاگ لپٹ، کیا کیوں اور اگر مگر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ "کس نے کیا" اور "کس کا ہوا" کی کوئی اہمیت نہیں۔ حضور رسولِ انام ﷺ نے فرمایا:

کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ---

"تم میں سے ہر ایک حاکم/نگران ہے اور ہر ایک اپنے ماتحت/ زیرِ نگرانی افراد کے لیے جواب دہ ہے"---

اس حدیث پاک میں "راعی" اور "رعایا" کا ذکر شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔[۴]

اسلام میں ہر شخص اپنے زیرِ نگرانی یا زیرِ اہتمام لوگوں کے بارے میں بھی اپنے ہر عمل کے متعلق جواب دہ ہے۔ جواب دہی کا یہی احساس انسان کو اچھا انسان اور مومن کو مومنِ کامل بناتا ہے۔ یہ جواب دہی احتساب ہی کا دوسرا نام ہے اور اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

مسلمان اپنے ہر عمل کے بارے میں احتساب کی زد میں ہے، جواب دِہ ہے۔ حتیٰ کہ ہم عبادت کے سلسلے میں بھی جواب دِہ ہیں کہ کہیں اس میں دِکھاوے کی، ریا کی ملاوٹ تو نہیں ہوگئی۔ جامع ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے، جسے سناتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کئی بار بے ہوش ہوئے۔ حضور رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سب سے پہلے قیامت کے دن تین آدمیوں کا حساب لیا جائے گا، قرآن کریم حفظ کرنے والا کہے گا، یا اللہ! میں تیرے لیے تیرے کلام کی تلاوت کرتا رہا۔ رب فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے تو قاری کہلانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ پھر ثروت مند شخص آئے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا، میں نے تجھے مال دیا تھا، تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا، میں تیری عطا کردہ دولت سے صلہ رحمی کرتا رہا، خیرات کرتا رہا۔ فرشتے بھی یہی کہیں گے اور

اللہ تعالیٰ بھی فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے، تو نے تو سخی اور مخیّر کہلوانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ پھر شہید آئے گا اور کہے گا، یا اللہ! میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا۔ فرشتے کہیں گے، تو جھوٹا ہے۔ رب بھی فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو نے بہادر مشہور ہونے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ حضور فخرِ موجودات ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا، ابو ہریرہ! سب سے پہلے یہی جہنم کا ایندھن بنیں گے" ---[۵]

اس سے اگلی حدیث میں جہنم کی اس وادی کا ذکر ہے، جس سے جہنم خود دن میں کئی مرتبہ پناہ مانگتا ہے۔ حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا:

"ریاکاری کے لیے قرآن پڑھنے والے اس میں پھینکے جائیں گے" ---

مطلب یہ کہ عبادات بجالاتے ہوئے بھی یہ احساس زندہ رہنا چاہیے کہ ان معاملات میں بھی احتساب ہوگا اور بڑی بڑی عبادتیں کرتے دکھائی دینے والے، نیت کی خرابی یا ریاکاری کی چکاچوند کے باعث جہنم کے اوّلین باسی بن سکتے ہیں۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظام کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے اور ہر پہلو دوسرے پہلو سے مربوط ہے۔ اسلام کے ہر ہر حکم کی کئی جہتیں ہیں اور اس میں کئی کئی پہلوؤں سے اصلاح کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، لیکن اگر ہم صرف معیشت کا ذکر کریں تو اسلام فرد کو معاشی جدوجہد کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اس کی نجی ملکیت کو تسلیم بھی کرتا ہے، مگر ساتھ ساتھ وہ کمائی کے ذرائع کے جائز اور حلال ہونے پر زور دیتا ہے اور حصولِ معاش کی آزادانہ سعی میں حلال و حرام کی حدیں متعین کرتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں صاحبِ ثروت باعزت ہے، اس کی دولت کے ذریعے کے بارے میں چھان بین اور احتساب کا تصور بھی گزشتہ نصف صدی سے عنقا چلا آ رہا ہے۔ حضور نبی الانبیاء ﷺ نے ہمارے دورِ پُرفتن کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا، جب اس بات کی پروا نہیں کی جائے گی کہ مال حرام راستے سے آیا ہے یا حلال اور جائز راستے سے" ---[۷]

حضور سرکارِ دو عالم ﷺ نے جائز اور ناجائز کمائی کے سارے راستے کھول کر بیان فرما دیے، مثلاً اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمانے کو سب سے بہتر قرار دیا[۸] اور رشوت دینے والے اور لینے والے، دونوں پر لعنت فرمائی[۹] ہم دیکھ رہے ہیں کہ ذرائع آمدن کے حوالے سے اسلام کا نظامِ احتساب

ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اگر پاکستان میں پہلی بار کوئی اس دینی راہ کو اختیار کرتا ہے تو اس کا اقدام یقیناً لائقِ تحسین ہے۔

ذرائع آمدن کی جواب دہی کے ساتھ اسلام میں اکتناز و احتکارِ زر کی سخت ممانعت ہے۔ مال کی محبت کو مذموم قرار دیا گیا ہے اور بخل و امساک، زر پرستی، دولتِ دنیا کی حرص و ہوس اور خوش حالی پر فخر و ناز کی بھی مذمت کی گئی ہے[۱۰] حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ضروری حقوق کی ادائی میں بخل سے کام لیا، وہ جب ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا[۱۱] اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے تو اسراف کرنے والوں کو بھی شیطان کا بھائی قرار دیا ہے''---[۱۲]

آمدن اور خرچ پر تحدید کے ساتھ ساتھ اسلام نے تقسیمِ دولت کا مثالی نظام دیا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی، عسرت زدوں کی امداد، مالی کفاروں اور صدقات کا وسیع نظام گردشِ دولت کو جو شکل دیتا ہے، اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام میں احتساب ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

اگر کوئی شخص، گروہ یا ادارہ کمائی کا جائز طریقہ اختیار نہیں کرتا، قومی دولت کا غلط استعمال کرتا ہے، کرپشن میں ملوث ہے، قوم و ملک کا سرمایہ اُدھار لیتا ہے اور ہڑپ کر جاتا ہے، رشوت لینے یا دینے کا مرتکب ہوتا ہے، اس کی کمائی کے ذرائع جائز نہیں ہیں، تو اگر اسلام نافذ ہوتا، ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو چکے ہوتے، ہماری انفرادی و اجتماعی زندگیاں اسلام کے متعین کردہ حقوق و فرائض کو انجام دیتے ہوئے گزر رہی ہوتیں تو ایسی صورتیں پیدا نہ ہوسکتیں، لیکن اگر ایسی صورتیں پیدا ہو ہی گئی ہوں، تو ان کا فوری تدارک اور قومی دولت کے ضیاع کا فوری ازالہ ضروری ہوگا۔

اسلام نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام فرمایا ہے۔ حضور فخرِ موجودات ﷺ نے ربٰو (سود) کا لین دین کرنے والوں کو جہنمی فرمایا ہے اور یہ کہ ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے[۱۳] حضور ﷺ نے سود کھانے والے اور اس کے گواہ پر بھی لعنت فرمائی ہے[۱۴] حضور رسولِ اَنام ﷺ نے بغیر ضرورت قرض لینے اور زندگی میں قرض ادا نہ کرنے کو گناہِ کبیرہ کے بعد سب سے بڑا گناہ فرمایا اور ایسے مقروض اشخاص کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے احتراز فرمایا[۱۵] اس صورت میں آج کل کے ان ظالموں کو تو جو بھی زیادہ سے زیادہ سزا ملے، وہ کم ہے۔ جو قومی دولت کو لوٹنے ہی کے لیے قرض کے نام پر حاصل کرتے اور پھر ''معاف'' کروا لیتے ہیں یا ڈکار جاتے ہیں اور اس قرض کی واپسی کے

سوال پر اپنا "دیوالیہ پن" ظاہر کر دیتے ہیں۔ اصل میں یہ دیوالیہ پن ایمان کے حوالے سے ہوتا ہے۔ واضح ہوا کہ سود لینے والے، سود دلوانے والے اور اس معاملے کے گواہوں کا احتساب بھی ضروری ہے اور قرض لے کر ہڑپ کر جانے والوں کے خلاف سخت تعزیری اور تادیبی کارروائی بھی لابدی ہے۔

خدا اور رسولِ خدا (ﷻ و ﷺ) نے جہاں مفلوک الحال لوگوں کی مدد کا نظام جاری فرمایا ہے، وہاں سوال کرنے کی ممانعت بھی فرمائی ہے[۱۶] یعنی جہاں اہلِ ثروت کا احتساب ہوگا کہ انھوں نے عسرت زدہ لوگوں کی مدد کیوں نہیں کی؟ وہاں مانگنے والوں کا بھی احتساب ہوگا۔

اسلام میں سزا کے علاوہ جزا کا تصور یوں ساتھ ساتھ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

"سچا، امانت دار تاجر مسلمان، قیامت کے دن شہداءِ اسلام کے ساتھ ہوگا"---[۱۷]

معاشرت اور سماجیات کے حوالے سے حضور رحمت ہر عالم ﷺ نے بدگمانی سے بچنے، عیب جوئی نہ کرنے، دشمنی نہ رکھنے اور کسی مسلمان بھائی سے قطعِ تعلق نہ کرنے کا حکم دیا ہے[۱۸] والدین کا حکم نہ ماننے کو گناہِ کبیرہ فرمایا ہے[۱۹] حضور سرورِ کائنات ﷺ نے جھوٹ سے اجتناب کو مومن کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"جھوٹ سے بچو، کیوں کہ یہ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم تک پہنچا دیتا ہے، سچ بولا کرو، کیوں کہ یہ نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور نیکی جنت تک لے جاتی ہے"---[۲۰]

صفوان بن سلیم کہتے ہیں، حضور رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا:

"مومن بزدل ہوسکتا ہے"---

فرمایا: "ہاں"---

عرض کیا گیا: "مومن بخیل ہوسکتا ہے؟"---

فرمایا: "ہاں"---

پوچھا گیا: "مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟"---

فرمایا: "نہیں"---[۲۱]

احتساب کے نقطۂ نظر سے مفہوم یہ ہے کہ بدگمانی کے مرتکب عیب جوئی کرنے والے، کسی سے دشمنی یا تعلقات کے انقطاع کو دوام بخشنے والے، ماں باپ کا حکم نہ ماننے والے، جھوٹ

بولنے والے اور ہر قسم کی منہیات کا ارتکاب کرنے والے کی جواب دہی اور احتساب، اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کا حق ہی نہیں، فرض ہے۔

سیاست کی دنیا پر نظر دوڑائیں تو اسلام میں طلبِ جاہ و منصب کی مناہی ہے۔ حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حکومت کی حرص ناپسندیدہ ہے، جو حکومت مانگے گا اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر بغیر مانگے حکومت ملے گی تو اللہ اس کی مدد فرمائے گا''---[۲۲]

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دو آدمیوں کے ساتھ حضورِ پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے عرض کی:

''ہمیں حکومت کے سلسلے میں کوئی ذمہ داری سونپ دیں''---

حضور فخرِ موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو حکومت طلب کرے، ہم اسے سب سے جھوٹا سمجھتے ہیں (یا فرمایا کہ) جو عہدے کی خواہش رکھے، وہ اس عہدے کے لائق ہی نہیں ہوتا''---[۲۳]

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمنائے جاہ و منصب اور عہدہ طلبی اسلام میں ممنوع ہے۔ سیاست کے حوالے سے اسلام احتساب کا یہ رُخ متعین کرتا ہے۔ کاش! کوئی اس طرف توجہ دے۔

ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیماتِ نبوی (ﷺ) کی روشنی میں احتساب ہر قدم پر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ اس سے مبرا نہیں اور یہ احتساب ہمیشہ بے لاگ ہوتا ہے۔ کوئی لاگ لگاؤ، اس کے اثر و نفوذ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے مسلمان کی جان و مال و آبرو کو دوسرے مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے[۲۴]

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے دن حضور ﷺ فرما رہے تھے:

''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کا دن حرام ہے''---[۲۵]

حضور پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھی فرمایا:

''میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو''---[۲۶]

مطلب یہ ہے کہ جو بدبخت کسی مسلمان بھائی کی جان و مال اور آبرو کو برباد کرے گا، اس کا احتساب لازمی ہے۔

یہ بنیادی طور پر حکومت کی ذمہ داری ہے مگر اس کے لیے پورا معاشرہ، معاشرے کا ہر فرد بھی ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں سامنے آنے والی کسی کوتاہی پر اربابِ حکومت بھی جواب دہ ہوں گے۔ ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا بھی احتساب کی زد میں آئے گا اور اگر مظلوم نے اپنی جان و مال و آبرو کو اس کیفیت میں رکھا تھا کہ اس پر ظلم کرنا، اسے چوری کرنا یا اسے ضرر پہنچانا آسان ہو تو اپنی اس کوتاہی پر وہ بھی احتساب کی زد میں آئے گا۔

اسلام میں احتساب کا دائرہ کسی طرح بھی محدود نہیں۔ اس میں جہاں مجرموں کا احتساب ضروری ہے، وہاں ریا کاری پر عبادات کی عمارت کھڑی کرنے والوں کا، کمانے والوں کا، خرچ کرنے والوں کا، سوال کرنے والوں کا، قرضے ہڑپ کر جانے والوں کا، معاشرتی برائیوں اور رزائل اخلاق کے مرتکبین کا، عُمّال و اربابِ اختیار کا، عہدہ طلبوں کا (خاص طور پر ان کا جو عہدہ طلبی کے لیے سازشیں کرتے ہیں، الیکشن لڑنے کے لیے انوسٹمنٹ کرتے ہیں اور ان کی نظریں قومی دولت لوٹنے کی تمنا میں پھٹی پڑتی ہیں) اور حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر شخص کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت میں حاکم اور نگران ہوتا ہے، احتساب ضروری ہے۔ اس میں تاثرات و تعصبات کو زیرِ نظر نہیں رکھا جاتا، اس میں اعزہ و احباب کے لیے کوئی رعایت نہیں، حتیٰ کہ احتساب کرنے والا خود اپنے آپ سے بھی کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بنومخزوم کی ایک خاندانی عورت نے چوری کی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (جن سے حضور ﷺ بہت محبت فرماتے تھے) نے اس خاتون کی سفارش بھی کی لیکن حضور ﷺ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''تم سے پہلے لوگ انھی کرتوتوں کے باعث تباہ ہوتے تھے، جب کوئی بڑا خاندانی آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی بے وسیلہ شخص ایسا کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ (فرمایا) خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے، تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں''---[۲۷]

سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بدر کی صف بندی کے دوران میں حضور ﷺ کی چھڑی لگی، انھوں نے بدلے کا مطالبہ کیا، تو حضور ﷺ نے فوراً بدلے کی خاطر اپنے آپ کو پیش کر دیا۔[۲۸]

جس دینِ کامل میں اس دین کو لانے والے (ﷺ) خود کو احتساب کے لیے پیش کرتے ہوں، اپنی بیٹی تک کے بارے میں کسی رو رعایت کی بات گوارا نہ فرمائیں، اس میں احتساب سے کون

بچے گا؟ ہمیں اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی جواب دہی کے احساس کو زندہ رکھ کر زندگی گزارنی ہوگی۔

حواشی/ تعلیقات

ا......بندوں کے مرتب کردہ ہر آئین اور خالقِ کائنات کے نازل کردہ دین میں ایک اور بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا کے آئینوں کے تحت قانون بنتے ہیں اور ان قوانین میں سے کسی کی خلاف ورزی پر تعزیری ضابطے حرکت میں آتے ہیں، لیکن اسلام میں "نهی عن المنكر" پر سزا کے ساتھ "امر بالمعروف" کی جزا کا اہتمام بھی موجود ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ضابطوں کی خلاف ورزی پر سزائیں مقرر ہیں، تو اس کے حکم پر چلنے والوں کے لیے اعزاز واکرام کی صورتیں بھی موجود ہیں۔ ایک طرف دوزخ ہے، تو دوسری طرف جنت۔ جزا وسزا، دونوں کا اہتمام صرف رب العالمین کے بنائے ہوئے آئین کی خصوصیت ہے۔

۲......البقرہ: ۲۰۸

۳......صحیح مسلم، كتاب البر و الصلة و الادب، باب الوصية بالجار، حدیث ۲،۳

۴......صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ۱۱۳۵، حدیث ۲۰۰۹

۵......جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ۲۷، ما جاء في الرياء و السمعة، حدیث ۲۶۵

۶......ایضاً، حدیث ۲۶۶

۷......صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۲۸۲، من لم يبال من حيث كسب المال، حدیث ۱۹۲۲/ باب ۱۲۹۸، حدیث ۱۹۴۳

۸......سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث على المكاسب، حدیث ۲۹۲

۹......سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب ۶۴، في كراهية الرشوة، حدیث ۱۸۴

۱۰......التکاثر: ۳/ التوبہ: ۳۴/ آلِ عمران: ۱۷۹

۱۱......ریاض الصالحین، باب في النهي عن البخل، پہلی حدیث

۱۲......الانعام: ۱۴۱/ الاعراف: ۳۱

۱۳......صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۲۹۹، اكل الربا و شاهده و كاتبه، حدیث ۱۹۴۳

۱۴......سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب ۶۶، في اكل الربا و موكله، حدیث ۱۹۳۸

۱۵......ایضاً، باب ۶۶۵، في التشديد في الدين، حدیث ۱۵۴۷، ۱۵۴۸

١٦......صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب النھی عن المسئلة، حدیث٢٠١/ مؤطاامام مالک، کتاب السلام، باب ماجاء فی التعفف عن المسئلة، حدیث١٨٣٥، ١٨٣٧

١٧......سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، حدیث٢٩٣/ مؤطاامام محمد، باب الاستعفاف عن المسئلة و الصدقة، حدیث٨٩٥

١٨......صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب تعلیم الفرائض، حدیث١٦٣٠

١٩......مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الکبائر، علامات النفاق، حدیث٤٥

٢٠......صحیح بخاری، کتاب الادب، باب٦٢٥، حدیث١٠٢٧/ مؤطاامام مالک، کتاب السلام، باب ما جاء فی الصدق و الکذب، حدیث١٨١٣/ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب قبح الکذب و حسن الصدق و فضله، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب٥٠٢، التشدید فی الکذب، حدیث١٥٥٣

٢١......مؤطاامام مالک، کتاب السلام، باب ماجاء فی الصدق و الکذب، حدیث١٨١٦

٢٢......صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب١١٣٩، من لم یسئل الامارة اعانه اللّٰه، حدیث٢٠١٧/ صحیح مسلم، کتاب الامارات، باب النھی عن طلب الامارةو الحرص علیھا، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب ماء فی طلب الامارة، حدیث١١٥٥

٢٣......سنن ابی داؤد، ایضاً، حدیث١١٥٦

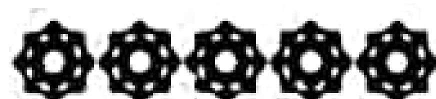
٢٤......صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب تحریم ظلم المسلم و خذله، پہلی حدیث/ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث١٤٥٣

٢٥......جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی تحریم الدماءِ و الاموال، حدیث٣١

٢٦......صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث١٥٢٩

٢٧......صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف و غیره النھی عن الشفاعة فی الحدود، پہلی اور دوسری حدیث/ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود، باب الشفاعة فی الحدود، حدیث٣٤٤٧

٢٨......ابن اثیر، ابی الحسن علی جزری، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، سیدنا سواد بن غزیۃ انصاری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ



سال نو

حضرت صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

سالِ گزشتہ کے تمام گورے، کالے، اندھیرے، اجالے، نئے نرالے، روپ دکھانے والے اوقات منقضی ہو گئے--- طرح طرح کے لیل ونہار، ایام خزاں اور موسم بہار اپنی اپنی شان و شوکت دکھا کر رخصت ہو گئے--- شام وسحر کے ظلمانی، نورانی پیکر اپنی اداؤں کے ساتھ گزر گئے--- شب وروز کے سیاہ وسفید ادوار کا دراز عرصہ، نیلی پیلی آنکھیں دکھا کر چلتا ہوا--- عیش و راحت کے ایام، شادی وکامرانی کے دن، جشن وعشرت کی راتیں، چشم زدن میں تمام ہوگئیں---

حسرت وارمان کے اوقات، اختر شماری وانتظار کی ساعات، ہجر وفراق کی گھڑیاں، جو کاٹے نہ کٹتی تھیں، ان کا بھی خاتمہ ہوگیا--- رنج وغم کے کڑوے اور تلخ دن، مصائب وافکار کے سخت و ناگوار زمانے، شدائد وتکالیف کے جاں سوز لمحے، بے کسی و بے بسی کے درد انگیز لحظے، اسیری و بیماری، رنجوری و بے چارگی کے مایوس کن ہنگامے بھی آخر ہو گئے:

نہ رات وصل کی باقی رہی، نہ شام فراق
مراد ہی نے وفا کی، نہ بے مرادی نے

اوقات، مہمانِ مستعجل کی طرح آئے اور چلے بھی گئے--- صبح کا سہانا سماں، فرحت انگیزیاں کر کے روانہ ہوا تو چاشت نے اپنے عروج وترقی کا دبدبہ دکھایا، مگر وہ بھی نہ ٹھہر سکا---

نصف النہار (دوپہر) نے اپنے کمال کی روشنی و گرمی دکھائی اور رحلت کر گیا--- سہ پہر نے پھر اعتدال کی طرف توجہ کی، حرارت کم ہوگئی، گرمی دھیمی پڑ گئی، لیکن یہ حالت بھی باقی نہ رہ سکی--- شام، تاریکیوں کا لشکر لے کر آئی اور اس نے دن کی نورانی افواج پر غلبہ حاصل کیا ہی تھا کہ شب دیجور نے اپنی بھیانک اندھیری سے اس کو مغلوب کیا--- سحر نے اس کا بھی گریبان چاک کیا:

اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلٍّ زَائِلٍ
اَوْ کَضَیْفٍ بَاتَ لَیْلاً فَارْتَحَلْ

''دنیا سایۂ دواں کی مثل ہے یا اس مہمان کی طرح جو رات کی رات رہا اور کوچ کر گیا''---

اَوْ کَنَوْمٍ قَدْ یَرَاهُ النَّائِمُ
اَوْ کَبَرْقٍ لَاحَ فِیْ اُفُقِ الْاَمَلْ

''یا خواب کی طرح جو سونے والا دیکھتا ہے یا بجلی کی طرح جو افق امل میں کوند گئی''---

ہر لحظہ ہر ساعت ہر دم
دگرگوں مے شود احوال عالم

موسم سرما کس کروفر سے آیا--- اس نے زمانہ میں اپنے احکام نافذ کیے--- سلطان و گدا کو اس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی--- وردیاں بدل دیں، غذائیں تبدیل کرا دیں--- برف خانے بند کرا کے چائے خانے جاری کرا دیے--- پانی کو برف بن جانے پر مامور کیا--- ہوا کو سرد ہونے کا حکم دیا، لیکن اس کی سلطنت کو قیام نصیب نہ ہوا--- آخر کار کمبل، کشمیری لحاف، توشک ساتھ لے کر بھاگنا ہی پڑا---

موسم خزاں نے جابر بادشاہ کی طرح دست تطاول دراز کیا--- حسینان چمن کے تن زیب، نظر فریب لباس چھین کر ننگا کر دیا--- چمنستان میں خاک اڑا کر سنسان بنا دیا--- آخر کار اس کا دور بھی ختم ہوا---

بہار کا زمانہ خسروانہ داد و دہش کے ساتھ جواں ہمت، کرم خصال، نیک مزاجوں کی طرح سرگرم جود و سخا ہوا--- اُجڑے چمن آباد ہو گئے--- گلستانوں کو زیب و زینت کا حکم دیا--- لٹے ہوئے اور غارت شدہ حسینان گلشن کو خلعت ہائے فاخرہ عطا فرمائے--- زرد چہرہ مصیبت زدوں کو سرسبز و شاداب کیا--- دست اجل نے اس کو بھی نہ چھوڑا---

گرماں (تابستان) کی سلطنت کا زمانہ اوراس کی حکومت کی گرم بازاری کا یہ عالم کہ دن میں دوپہر کے وقت مکانوں سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے---اگر خلاف حکم کوئی نکلے تو بادسموم کے گرم طمانچہ سے اس کی گوش مالی کی جائے---سرما کے تمام احکامات منسوخ کرڈالے---خس خانے آباد کرنے کا فرمان نافذ کیا---فرشی اور دستی پنکھوں کو رواج دیا---ہر بن مو سے پسینہ کی ندیاں بہادیں---خوراک و پوشاک میں تبدیلیاں کرڈالیں---دن میں باہر نکلنے والوں کو چھتریاں لے کر نکلنے پر مجبور کیا---درخت جھلس ڈالے---دریا خشک کرڈالے---زمین گرم کرکے خاک اڑائی---آندھیاں چلائیں---یہ قاہرہ سطوت بھی آخر ہوئی---

تابستان کی بادشاہت بھی گئی---برسات کا دور آیا---آسمانی دل رباؤں کے چہرے نقاب پوش ہوئے---آفتاب عالم تاب نے چادرابر میں گھونگھٹ کیا---فلک نے اپنا فیروزی چہرہ چھپایا---کالی کالی گھٹائیں آئیں---بجلیاں چمکیں---صاعقے گرے---بادل برسے---سطح زمین پر پانی کا فرش ہوا---دریاؤں میں طغیانیاں آئیں---عمارتیں منہدم ہوئیں---زمین سبزہ پوش ہوئی---جنگل ہرے بھرے ہوگئے---یہ مہمان بھی ہمارے ساتھ قیام نہ کرسکا---آخر ایک دن ہم سے جدا ہوگیا---

اس طرح تمام سعد و نحس، نیک و بد اوقات، رنج و مسرت کے ساعات، جن پر گزشتہ سال کی مدت مشتمل تھی، ہمیں چھوڑ کر چلے گئے---ہمیں ان کی جدائی کا اتنا ہی قلق ہونا چاہیے تھا جتنا کہ ایک رفیق کی مفارقت کا ہوتا ہے، مگر غضب تو یہ ہے کہ:

آپ جاتے ہیں تو اس میں مرا دعویٰ کیا ہے
لے چلے ساتھ کہو کیوں دل شیدا میرا

یہ اوقات گئے، مگر تنہا نہ گئے---ہماری عمر کا ایک حصہ اپنے ساتھ لے گئے---ہماری حیات کا ایک جزو کم کر گئے---لیل و نہار کی تبدیلیوں کے ساتھ ہم میں تبدیلیاں ہوتی رہیں---بے شعور بچے، ذی شعور ہوگئے---ذی شعور، مراہق ہوئے تو مراہق، بلوغ کو پہنچے---بالغ جوان ہوئے، جوان کہول ہوئے، کہول شیوخ (بوڑھے) ہوگئے---

جن کی غذا ماں کے دودھ میں منحصر تھی، ان کے دانت نکلے اور اب وہ چاب کھانے لگے---

جو اُٹھ نہ سکتے تھے، دوڑنے لگے---جو اشارہ تک نہ جانتے تھے، باتیں کرنے لگے---

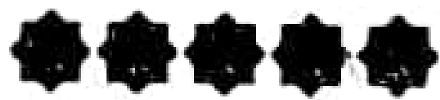
جن کے چہرے دن کی مثل صاف تھے، ان کے رخ پر شام کی طرح سبزہ کا آغاز ہوا---

جن کے صفحاتِ رخسار کی سرخی کے گرد شب رنگ جدول تھی، ان کے رُخ کے صفحے زرد ہوئے--- جدول سفید ہو گئی، جس طرح شب کی تاریکی، سحر کی سفیدی سے تبدیل ہو جایا کرتی ہے--- شباب کی سیاہی، پیری کی سفیدی سے بدل گئی--- اس طرح سال کے تغیرات کے ساتھ ہم میں بھی تغیر ہوئے اور سال کی رخصت کے ساتھ ہماری حیات کا حصہ بھی رخصت ہو گیا---

سال گزرنے پر دفاتر میں سال تمام کے نقشے بنائے جاتے ہیں، جن میں گزرے ہوئے سال کی کارگزاریاں درج ہوتی ہیں--- تجار اور زمین دار اپنی کتابیں اور بہیاں تبدیل کرتے ہیں اور پچھلے سال کے نفع نقصان کا حساب کرتے ہیں--- اگر نفع نظر آتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور اس طرف اپنی توجہ پہلے سے زیادہ صرف کرتے ہیں--- اگر نقصان معلوم ہوتا ہے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور اس کی تلافی کی فکروں میں سرگرم اور مستعد ہو جاتے ہیں---

آج سال ہم سے رخصت ہو رہا ہے--- ہمیں بھی حساب کرنا ہے کہ ہم نے متاعِ زندگی کو کس جنس سے بدلا اور ہم کو اس تجارت میں نفع ہوا یا ٹوٹا (نقصان)--- ہماری عمر کے کتنے اوقات طاعت وعبادت اور مرضیٔ الٰہی میں صرف ہوئے، کتنے بے کار گئے؟--- اگر ہم کو اس سال کے عرصہ میں اعمالِ صالحہ اور عبادات و طاعات کا کافی سرمایہ بہم پہنچا ہے تو ہم کو خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے آئندہ اس سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی اور اس دولت کو بڑھانے کی تدبیر کرنی چاہیے--- اگر بد قسمتی سے ہمارے اوقات کی پونجی بے کار ضائع ہوئی یا اس کا اکثر حصہ غفلت میں گزر کر لٹ گیا تو ہم کو رنجیدہ ہونا چاہیے اور سچے دل سے ندامت کے ساتھ آنسو بہاتے ہوئے توبہ کر کے آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے اور طاعت وعبادت اور مرضیاتِ الٰہی میں صرف کرنے کی سرگرم سعی کرنی چاہیے اور دوسروں کی تجارت کے نفع پر نظر کر کے رشک کرنا اور اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ کے لیے مستعد بنانا لازم ہے---

ہم کو دیکھنا ہے کہ اس طویل عرصہ میں خداوند عالم کی کتنی بے شمار نعمتیں ہم کو ملیں اور ہم نے ان کی قدر نہ کی--- ہم کو جانچنا ہے کہ کتنے فرائض ہم سے ترک ہوئے--- ہم کو غور کرنا ہے کہ ان کی ادا کی کیا سبیل ہے؟--- ہم کو مستعد ہو کر جلد سے جلد ان کو ادا کرنا اور آئندہ فرض کی ادا میں سرگرم رہنا لازم ہے---



اخلاق و کردار

تیسری قسط

رسومات

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی (انڈیا)

جب تک اسلام عرب کی زمین تک محدود رہا، اس وقت تک مسلمانوں کا معاشرہ اور ان کا طرزِ زندگی بالکل ہی سیدھا سادھا اور ہر قسم کی رسومات اور بدعات وخرافات سے پاک صاف رہا۔ لیکن جب اسلام عرب سے باہر دوسرے ملکوں میں پہنچا تو دوسری قوموں اور دوسرے مذہب والوں کے میل جول اور ان کے ماحول کا اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کے طریقہ زندگی پر بہت زیادہ اثر پڑا اور کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی بہت سی غلط سلط اور من گھڑت رسموں کا مسلمانوں پر ایسا جارحانہ حملہ ہوا اور مسلمان ان مشرکانہ رسموں میں اس قدر ملوث ہو گئے کہ اسلامی معاشرہ کا چہرہ مسخ ہو گیا اور مسلمان رسم ورواج کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر خیر القرون کی سیدھی سادی اسلامی طرزِ زندگی سے بہت دور ہو گئے۔ چناں چہ خوشی، غمی، پیدائش، موت، ختنہ، شادی بیاہ وغیرہ مسلمانوں کی ہر تقریبات، بلکہ مسلمانوں کی زندگی وموت کے ہر مرحلہ اور موڑ پر قسم قسم کی رسموں کی فوجوں کا اس طرح عمل دخل ہو گیا ہے کہ مسلمان اپنی تقریبات کو باپ داداؤں کی ان روایتی رسموں سے الگ کر ہی نہیں سکے اور یہ حال ہو گیا ہے کہ:

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں کی تقریبات میں جن رسموں کا رواج پڑ گیا ہے، ان کے بارے میں تین قسم کے مکتبِ خیال کے لوگ ہیں، جو اپنے اپنے مسلک کا اعلان کرتے رہتے ہیں:

اوّل: لال، پیلے، ہرے رنگ کے لباسوں والے گیسو دراز قسم کے رنگین مزاج باباؤں کا گروہ، جو تصوف کا لبادہ اوڑھے ہوئے صوفی بنے پھرتے ہیں، ان حقیقت و معرفت کے ٹھیکیداروں نے تو تمام خرافات اور خلافِ شریعت رسومات کو جائز ٹھہرا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ ڈھولک اور طبلہ کی تھاپ اور ہارمونیم اور سارنگی کے راگ پر ان لوگوں کو معرفت کی معراج حاصل ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے مسلم معاشرہ کو تہس نہس اور اسلام کے مقدس چہرہ کو خرافات و بدعات اور خلافِ شریعت رسومات کے داغ دھبوں سے مسخ کر ڈالا ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ خطا کار ہیں، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان لوگوں کی صحبت اور ان لوگوں کی پیروی سے ہمیشہ بچتے رہیں۔

دوم: وہابیوں، دیوبندیوں کا فرقہ ہے، جنھوں نے اصلاح کے نام سے اسلامی معاشرہ اور دینِ اسلام کی حجامت بنا ڈالی ہے۔ ان لوگوں نے یہ ظلم کیا ہے کہ مسلم معاشرہ کی جائز و ناجائز تمام رسومات کو حرام و بدعت بلکہ کفر و شرک ٹھہرا دیا ہے اور یہ لوگ یہاں تک حد سے بڑھ گئے کہ دولہا کے سر پر سہرا باندھنے کو کفر و شرک لکھ دیا اور دوسری بہت سی جائز چیزوں مثلاً قبروں پر چادر ڈالنے، بزرگوں کی نیاز فاتحہ کرنے، مردوں کا تیجہ، چالیسواں کرنے کو بدعت و حرام قرار دے دیا، میلاد شریف کی مجلسوں کو حرام و بدعت بلکہ کنہیا کے جنم سے بدتر لکھ دیا۔ قیام و سلام کو ناجائز و ممنوع قرار دیا، بزرگانِ دین کے عرسوں کو ناجائز و حرام لکھا، محرم میں ذکرِ شہادت اور سبیلوں سے منع کیا اور لطف یہ ہے کہ ان لوگوں سے جب ان رسومات کے کفر و شرک اور بدعت و حرام ہونے پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم لوگوں نے احتیاطاً ان چیزوں کو کفر و شرک اور حرام لکھ دیا ہے تاکہ لوگ ڈر کر ان چیزوں کو چھوڑ دیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کفر و شرک اور حرام و ناجائز ٹھہرانا یہ احتیاط ہے یا اعلیٰ درجے کی بے احتیاطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال بتایا ہے اُن کو کفر و شرک اور حرام بتانا، یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء و تہمت ہے اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾---[الانعام:۲۱]

''اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگائے''---

بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جن رسموں کو اللہ ورسول (ﷻ و ﷺ) نے حرام نہیں بتایا، ان کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر حرام ٹھہرانا، یہ خود بہت بڑا گناہ ہے، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان لوگوں سے بھی الگ تھلگ رہیں اور ہرگز ہرگز ان لوگوں کی پیروی نہ کریں۔

سوم: ہم سب اہلِ سنت وجماعت کا مقدس طبقہ ہے، جس کے بڑے علم برداروں میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا بحرالعلوم لکھنوی، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی وغیرہ بزرگانِ دین ہیں۔ اہل سنت وجماعت کے ان مقدس بزرگوں کا مسلمانوں کی رسموں کے بارے میں یہ فتویٰ ہے کہ مسلمانوں کی وہ رسمیں جن کو شریعت نے منع کیا ہے، وہ تو یقیناً حرام وناجائز ہیں۔ مثلاً ناچ گانا، باجہ بجانا، آتش بازی، دولہا کو چاندی سونے کے زیورات پہنانا، تقریبات میں عورتوں مردوں کا بے پردگی کے ساتھ جمع ہونا، گھر کے اندر عورتوں کے درمیان دولہا کو بلانا اور عورتوں کا بے پردہ اس کے سامنے اور سالیوں وغیرہ کا ہنسی مذاق کرنا، دولہا کے جوتوں کو چرالینا، پھر زبردستی دولہا سے انعام وصول کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن شریعت نے جن رسموں کو جائز بتایا یا وہ رسمیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے، ان کو ہرگز ہرگز ناجائز اور حرام نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو۔ اس وقت تک اسے حرام وناجائز نہیں کہہ سکتے۔ خواہ مخواہ مسلمانوں کی تمام رسموں کو کھینچ تان کر ممنوع وحرام قرار دینا اور بلاوجہ مسلمانوں کو بدعتی اور حرام کا مرتکب کہنا، یہ بہت بڑی زیادتی اور دین میں حد سے بڑھ جانا ہے، کیوں کہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کی رسموں اور رواجوں کی بنیاد عرف پر ہے۔ یہ کوئی مسلمان بھی نہیں سمجھتا کہ یہ سب رسمیں شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں۔ بعض مولویوں کا یہ کہنا کہ فلاں رسم کو لوگ فرض سمجھنے لگے ہیں اور اس کو کبھی ترک نہیں کرتے ہیں، اس لیے لوگوں کو ہم اس رسم سے روکتے ہیں کہ لوگ ایک غیر فرض کو فرض سمجھنے لگے ہیں۔ مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ یہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے اور درحقیقت یہ لوگ خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔

یاد رکھو کہ کسی چیز کو ہمیشہ کرتے رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کرنے والا اس کو فرض سمجھتا ہے، کسی چیز کو ہمیشہ کرتے رہنا یہ اور بات ہے اور اس کو فرض سمجھ لینا اور بات ہے۔ دیکھو وضو کرنے والا ہمیشہ وضو میں کانوں اور گردن کا مسح ضرور کرتا ہے، کبھی بھی گردن اور کانوں کے مسح کو نہیں چھوڑتا تو

کیا کوئی بھی اس پر یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ سر کے مسح کی طرح گردن اور کانوں کے مسح کو بھی فرض سمجھتا ہے، حالاں کہ کانوں اور گردن کا مسح سنت و مستحب ہے اور کیا کوئی بھی اس کی جرأت کر سکتا ہے کہ لوگوں کو کانوں اور گردن کے مسح سے منع کردے کہ لوگ ایک غیر فرض کو فرض سمجھنے لگے ہیں۔

بس اسی طرح سمجھ لو کہ لوگ ہمیشہ عید کے دن سویاں اور شبِ برأت کو حلوہ پکاتے ہیں اور میلاد شریف میں ہمیشہ شیرینی بانٹتے ہیں اور کبھی بھی اس کو ترک نہیں کرتے۔ مگر اس کو ہمیشہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگ ان کاموں کو فرض سمجھنے لگے ہیں، جس طرح گردن اور کانوں پر ہمیشہ مسح کرنے والا ہمیشہ کرنے کے باوجود یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ کانوں اور گردن کا مسح فرض نہیں ہے بلکہ سنت و مستحب ہے۔ اسی طرح ہمیشہ عید کو سویاں اور شبِ برأت کو حلوہ پکانے والا یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ فرض نہیں ہیں، بلکہ جائز و مباح ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کسی چیز کو فرض سمجھنا یا فرض نہ سمجھنا، اس کا تعلق عقیدہ سے ہے، نہ کہ عمل سے۔ کہاں عمل اور کہاں عقیدہ؟ عمل اور چیز ہے اور عقیدہ اور چیز، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں رواج پا جانے والی تمام رسومات حرام و ناجائز نہیں، بلکہ کچھ رسمیں ناجائز ہیں اور کچھ جائز اور جائز رسموں کو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جائز رسموں کی پابندی اسی حد تک کر سکتا ہے، کہ کسی فعلِ حرام میں مبتلا نہ ہو۔

چند بری رسمیں

اکثر جاہلوں میں رواج ہے کہ بچوں کی پیدائش یا عقیقہ یا ختنہ یا شادی بیاہ کے موقعوں پر محلّہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں۔ یہ ناجائز و حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی ناجائز، پھر عورتوں کا گانا اور زیادہ برا، عورت کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق اور ہجر و وصال کے اشعار اور گیت ظاہر ہے کہ یہ کتنے فتنوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح عورتوں کا رت جگا بھی ہے کہ رات بھر عورتیں گاتی بجاتی رہتی ہیں اور گلگلے پکتے رہتے ہیں۔ پھر صبح کو گاتی بجاتی ہوئی مسجد میں طاق بھرنے کے لیے جاتی ہیں اور اس میں بہت سی خرافات پائی جاتی ہیں۔ نیاز گھر میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر مسجد ہی میں ہو تو مرد لے جا سکتے ہیں۔ عورتوں کو جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان عورتوں کے ہاتھ میں ایک آٹے کا بنا ہوا چار بتیوں والا چراغ بھی ہوتا ہے، جو گھی سے جلایا جاتا ہے۔ غور کیجیے کہ جب صبح ہو گئی تو چراغ کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر چراغ کی

حاجت ہے تو مٹی کا چراغ کافی ہے، آٹے کا چراغ بنانا اور تیل کی جگہ گھی جلانا، بالکل ہی اسراف اور فضول خرچی اور مال کو برباد کرنا ہے، جو شرعاً حرام ہے۔ دولہا دلہن کو ابٹن ملوانا، مائیوں بٹھانا جائز ہے لیکن دولہا کے ہاتھ پاؤں میں زینت کے لیے مہندی لگانا جائز نہیں ہے۔ یوں ہی دولہا کو ریشمی پوشاک یا زیورات پہننا پہنانا حرام ہے۔ خالص پھولوں کا سہرا جائز ہے، بلا وجہ اسے ممنوع نہیں کہا جا سکتا، ہاں سونے چاندی کے تاروں وغیرہ کا بنا ہوا ہار یا سہرا دولہا کے لیے حرام اور دلہن کے لیے جائز ہے۔ ناچ باجہ، آتش بازی حرام ہیں، شادیوں میں دو قسم کے ناچ کرائے جاتے ہیں، ایک رنڈیوں کا ناچ جو مردوں کی محفل میں ہوتا ہے، دوسرا وہ ناچ جو خاص عورتوں کی محفل میں ہوتا ہے کہ کوئی ڈومنی یا مراثن ناچتی ہے اور کمر کے کولہے مٹکا مٹکا کر اور ہاتھوں سے چمکا چمکا کر تماشہ کرتے ہے۔ یہ دونوں قسم کے ناچ حرام و ناجائز ہیں۔ رنڈی کے ناچ میں جو گناہ اور خرابیاں ہیں، ان کو سب جانتے ہیں کہ ایک نامحرم عورت کو سب مرد بے پردہ دیکھتے ہیں، یہ آنکھوں کا زنا ہے، اس کی شہوت انگیز آواز کو سنتے ہیں، یہ کانوں کا زنا ہے، اس سے باتیں کرتے ہیں، یہ زبان کا زنا ہے۔ بعض اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں، یہ ہاتھوں کا زنا ہے، بعض اس کی طرف چل کر داد دیتے ہیں اور انعام کا روپیہ دیتے ہیں، یہ پاؤں کا زنا ہے، بعض بدکاری بھی کر لیتے ہیں، یہ اصلِ زنا ہے۔

آتش بازی خواہ شب برأت میں ہو یا شادی بیاہ میں، ہر جگہ ہر حال میں حرام ہے اور اس میں کئی گناہ ہیں۔ یہ اپنے مال کو فضول برباد کرنا ہے، قرآن مجید میں فضول مال خرچ کرنے والے کو شیطان کا بھائی فرمایا گیا ہے اور ان لوگوں سے اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) بیزار ہیں۔ پھر اس میں ہاتھ پاؤں کے جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف ہے اور بلا وجہ جان یا مال کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنا شریعت میں حرام ہے۔

اسی طرح شادی بیاہ میں دولہا کو مکان کے اندر بلانا اور عورتوں کے سامنے آ کر یا تاک جھانک کر اس کو دیکھنا، اس سے مذاق کرنا، اس کے ساتھ چوتھی کھیلنا، یہ سب رسمیں حرام و ناجائز ہیں۔ شادیوں یا دوسرے موقعوں پر خاص دان، عطر دان، سرمہ دانی، سلائی وغیرہ چاندی سونے کا استعمال کرنا، بہت باریک کپڑے پہننا یا بجتے ہوئے زیور پہننا یہ سب رسمیں ناجائز ہیں۔

عقیقہ میں بس اس قدر سنت ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کر دینا اور بچے کے بالوں کو منڈا کر بالوں کے وزن کے برابر

چاندی خیرات کر دینا اور بچے کے سر میں زعفران لگا دینا، یہ سب کام تو ثواب کے ہیں، باقی اس کے علاوہ جو رسمیں ہوتی ہیں کہ نائی سر مونڈنے کے بعد سب کنبہ و برداری والوں کے سامنے کٹوری ہاتھ میں لے کر اپنا حق مانگتا ہے اور لوگ اس کٹوری میں پیسے ڈالتے ہیں اور برداری کے لوگ جو کچھ نائی کی کٹوری میں ڈالتے ہیں وہ گھر والے کے ذمہ ایک قرض ہوتا ہے کہ جب ان دینے والوں کے یہاں عقیقہ ہوگا تو یہ لوگ اتنی ہی رقم ان کے نائی کی کٹوری میں ڈالیں گے۔ اسی طرح سوپ (چھاج) میں کچا اناج رکھ کر نائی کے سامنے رکھا جاتا ہے، اسی طرح عقیقہ میں لوگوں نے یہ رسم مقرر کر لی ہے کہ جس وقت بچے کے سر پر استرا رکھا جائے، فوراً اسی وقت بکرا بھی ذبح کیا جائے، یہ سب رسمیں بالکل ہی لغو ہیں۔ شریعت میں فقط اتنی بات ہے کہ نائی کو سر مونڈنے کی اجرت دے دی جائے اور بکرا خواہ سر مونڈنے سے پہلے ذبح کریں، خواہ بعد میں، سب جائز و درست ہے۔ اسی طرح ختنہ میں بعض جگہ اس رسم کی بے حد پابندی کی جاتی ہے کہ بچے کا لباس، بستر، چادر سب کچھ سرخ رنگ کا تیار کیا جاتا ہے اور چوبیس گھنٹے بچہ کے ہاتھ میں چاقو یا چھری کا رکھنا لازم سمجھا جاتا ہے، یہ سب رسمیں من گھڑت خرافات ہیں، شریعت سے ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

جہیز

ماں باپ کچھ کپڑے، کچھ زیورات، کچھ سامان، برتن، پلنگ، بستر، میز، کرسی، تخت، جائے نماز، قرآنِ مجید، دینی کتابیں وغیرہ لڑکی کو دے کر اس کو سسرال بھیجتے ہیں، یہ لڑکی کا جہیز کہلاتا ہے، بلاشبہ یہ جائز ہے، بلکہ سنت ہے۔ کیوں کہ ہمارے حضور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی پیاری بیٹی حضرت سیدہ بی بی فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں چند سامان دے کر رخصت فرمایا تھا، لیکن یاد رکھو کہ جہیز میں سامان کو دینا، یہ ماں باپ کی محبت و شفقت کی نشانی ہے اور ان کی خوشی کی بات ہے۔ ماں باپ پر لڑکی کو جہیز دینا فرض و واجب نہیں ہے۔ لڑکی اور داماد کے لیے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زبردستی ماں باپ کو مجبور کر کے اپنی پسند کا سامان جہیز میں وصول کریں۔ ماں باپ کی حیثیت اس قابل ہو یا نہ ہو مگر جہیز میں اپنی پسند کی چیزوں کا تقاضا کرنا اور ان کو مجبور کرنا کہ وہ قرض لے کر بیٹی داماد کی خواہش پوری کریں، یہ خلافِ شریعت بات ہے۔ بلکہ آج کل ہندوؤں کے تلک جیسی رسم مسلمانوں میں بھی چل پڑی ہے کہ شادی طے کرتے وقت ہی یہ شرط لگا دیتے ہیں کہ جہیز میں فلاں فلاں سامان اور اتنی رقم دینی پڑے گی۔ چناں چہ بہت سے غریبوں کی لڑکیاں اسی لیے بیاہی نہیں

جارہی ہیں کہ ان کے ماں باپ لڑکی کے جہیز کی مانگ پوری کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، یہ رسم یقیناً خلافِ شریعت ہے اور جبراً قہراً ماں باپ کو مجبور کر کے زبردستی جہیز لینا، یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس بری رسم کو ختم کردیں۔

تہواروں کی رسمیں

مسلمانوں میں یہ رواج ہے کہ عید کے دن سویاں پکاتے ہیں، بقرعید کے دن گوشت بھری پوریاں اور قسم قسم کے کباب تیار کرتے ہیں، شب براءت میں حلوہ پکاتے ہیں، محرم میں کھچڑا پکاتے ہیں، شربت بناتے ہیں، رجب کے مہینے میں بزرگوں کی فاتحہ دلاتے ہیں، آپس میں مل جل کر کھاتے کھلاتے ہیں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے یہاں تحفہ بھیجتے ہیں، ایک دوسرے کے بچوں کو تہواریاں دیتے ہیں، ان سب رسموں میں چوں کہ شریعت کے خلاف کوئی بات نہیں ہے، اس لیے یہ سب رسمیں جائز ہیں۔ بعض فرقوں والے ان چیزوں کو ناجائز بتاتے ہیں اور نیاز فاتحہ کے کھانوں کو حرام ٹھہراتے ہیں اور خواہ مخواہ مسلمانوں کے سر یہ الزام تھوپتے ہیں کہ مسلمان ان رسموں کو فرض و واجب سمجھتے ہیں اور طرح طرح سے کھینچ تان کر ان جائز رسموں کو ممنوع وحرام بتاتے ہیں، یہ ان لوگوں کا ظلم اور زیادتی ہے کہ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلا کسی شرعی دلیل کے حرام ٹھہراتے ہیں، ان رسموں کو ہرگز ہرگز کوئی مسلمان فرض و واجب نہیں سمجھتا، بلکہ ہر مسلمان ان باتوں کو ایک جائز رسم و رواج ہی سمجھ کر کیا کرتا ہے اور یقیناً یہ سب باتیں جائز ہیں بلکہ اگر اچھی نیت سے ہوں تو مستحب اور کارِ ثواب بھی ہیں۔ (و اللّٰہ تعالٰی اعلم)

مہینوں اور دنوں کی نحوست

جاہل عورتوں میں یہ رسم و رواج ہے کہ وہ ذوالقعدہ کے مہینا کو "خالی چاند" اور صفر کے مہینا کو "تیرہ تیزی" کہتی ہیں اور ان دونوں مہینوں کو منحوس سمجھتی ہیں اور ان دونوں مہینوں میں شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کو نامبارک جانتی ہیں، اسی طرح ہر مہینے کی ۳، ۱۳، ۲۳ تاریخوں اور ۸، ۱۸، ۲۸ تاریخوں کو منحوس سمجھ کر ان تاریخوں میں شادی بیاہ اور دوسری تمام تقریبات کرنے کو بہت ہی برا اور نحوست والا کام سمجھتی ہیں۔ کچھ جاہل مرد اور عورتیں قمر در عقرب میں شادی بیاہ کرنے کو منحوس اور نامبارک مانتے ہیں، اسی طرح بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر کچھ لوگ اس دن سفر نہیں کرتے۔ کچھ عورتیں ان مہینوں اور تاریخوں کی نحوست سے بچنے کے لیے طرح طرح کے ٹوٹکے کرتی کراتی ہیں۔

کہیں کہیں رواج ہے کہ ہر تیرھویں کو کچھ گھونگنیاں پکا کر تقسیم کرتے ہیں تا کہ اس تاریخ کی منحوسیت سے حفاظت رہے۔ کان کھول کر سن لو اور یاد رکھو کہ اس قسم کے سارے اعتقادات سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور گناہ کی باتیں ہیں، اس لیے ان اعتقادات سے توبہ کرنا چاہیے۔ شریعتِ اسلام میں ہرگز ہرگز نہ کوئی مہینا منحوس ہے، نہ کوئی تاریخ نہ کوئی دن۔ ہر مہینا، ہر تاریخ، ہر دن اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو نہ منحوس بنایا ہے نہ نامبارک۔ یہ سب اعتقاد مشرکوں، نجومیوں اور رافضیوں کے من گھڑت عقیدوں کی پیداوار ہیں، جو جاہل عورتوں میں چل پڑے ہیں، ان رسموں کو مٹانا بہت ضروری ہے، اس لیے عزیز بہنو! تم خود بھی ان اعتقادوں سے بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس جہاد کا تم کو بہت بڑا ثواب دے گا۔

محرّم کی رسمیں

محرم کے مہینے میں صرف اتنی بات ہے کہ حضرت سیدنا امام حسین اور شہداء کربلا ﷺ کے مقدس روضوں کی تصویر یا نقشہ بنا کر ان کو دیکھنا، یہ تو جائز ہے کیوں کہ ایک غیر جان دار چیز کی تصویر یا نقشہ ہے، لہٰذا جس طرح کعبہ، بیت المقدس، نعلین شریفین وغیرہ کی تصویریں اور ان کے نقشے بنا کر رکھنے کو شریعت نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح شہداء کربلا کے روضوں کی تصویریں اور نقشے بھی یقیناً جائز ہی رہیں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ محرم کے مہینے میں جو بہت سی بدعتیں اور خرافاتی رسمیں چل پڑی ہیں، وہ یقیناً ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ مثلاً ہر سال سیکڑوں ہزاروں روپے کے خرچ سے روضۂ کربلا کا نقشہ بنا کر اس کو پانی میں ڈبو دینا یا زمین میں دفن کر دینا یا جنگلوں میں پھینک دینا، یہ یقیناً حرام و ناجائز ہے، کیوں کہ یہ اپنے مال کو برباد کرنا ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ مال کو ضائع اور برباد کرنا حرام و ناجائز ہے۔ اسی طرح کی دوسری بہت سی خرافات و لغویات، مثلاً ڈھول، تاشہ بجانا، تعزیوں کو ماتم کرتے ہوئے گلی گلی پھرانا، سینے کو ہاتھوں یا زنجیروں یا چھریوں سے پیٹ پیٹ کر اور مار مار کر اچھلتے کودتے ہوئے ماتم کرنا، تعزیوں کے نیچے اپنے بچوں کو لٹانا، تعزیوں کی تعظیم کے لیے تعزیوں کے سامنے سجدہ کرنا، تعزیوں کے نیچے کی دھول اٹھا اٹھا کر بطورِ تبرک چہروں، سروں اور سینوں پر ملنا، اپنے بچوں کو محرم کا فقیر بنا کر محرم کی نیاز کے لیے بھیک منگوانا،

بچوں کو کربلا کا پیک اور قاصد بنا کر اور ایک خاص قسم کا لباس پہنا کر اِدھر اُدھر دوڑاتے رہنا، سوگ منانے کے لیے خاص قسم کے کالے یا سبز رنگ کے کپڑے پہن کر ننگے سر، ننگے پاؤں گریبان کھولے ہوئے یا گریبان پھاڑ کر گلی گلی بھاگے بھاگے پھرنا وغیرہ وغیرہ قسم قسم کی لغویات و خرافات کی رسمیں جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ سب ممنوع و ناجائز ہیں اور یہ سب زمانۂ جاہلیت اور رافضیوں کی نکالی ہوئی رسمیں ہیں، جن سے توبہ کر کے خود بھی ان حرام رسموں سے بچنا اور دوسروں کو بچانا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسی طرح تعزیوں کا جلوس دیکھنے کے لیے عورتوں کا بے پردہ گھروں سے نکلنا اور مردوں کے مجمعوں میں جانا اور تعزیوں کو جھک جھک کر سلام کرنا یہ سب کام بھی شریعت میں منع اور گناہ ہیں۔

[فتاویٰ عزیزیہ و رسالہ تعزیہ داری، مصنفہ اعلیٰ حضرت و بہارِ شریعت]

محرم میں کیا کرنا چاہیے؟

محرم کی دسویں تاریخ جس کا نام "روزِ عاشوراء" ہے، دنیا کی تاریخ میں یہ بڑا ہی عظمت و فضیلت والا دن ہے۔ یہی وہ دن ہے کہ اس میں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان میں سلامتی کے ساتھ "جودی پہاڑ" پر پہنچی، اسی دن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ کو "خلیل اللہ" کا لقب ملا اور اسی دن آپ نے نمرود کی آگ سے نجات پائی، یہی وہ دن ہے کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کو سلطنت ملی، یہی وہ دن ہے کہ حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کی بلائیں ختم ہوئیں، یہی وہ دن ہے کہ حضرت سیدنا ادریس اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہما السلام آسمانوں پر اٹھائے گئے، یہی وہ دن ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے دریا پھٹ گیا اور فرعون لشکر سمیت دریا میں غرق ہو گیا اور حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی، اسی دن حضرت سیدنا یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے زندہ و سلامت باہر تشریف لائے، اسی دن حضرت سیدنا امام حسین اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم نے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش فرما کر حق کے پرچم کو سربلند فرمایا۔ [صاوی و غنیۃ الطالبین]

شبِ عاشوراء کی نفل نماز

عاشوراء کی رات میں چار رکعت نماز نفل اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی ایک اور سورۃ الاخلاص (قل ھو اللّٰہ) تین تین بار پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر

ایک سو مرتبہ سورہ اخلاص (قل ھو اللّٰہ) پڑھے، گناہوں سے پاک ہوگا اور بہشت میں بے انتہا نعمتیں ملیں گی۔[صاوی وغنیۃ الطالبین]

عاشوراء کا روزہ

نویں اور دسویں محرم دونوں دن روزہ رکھنا چاہیے اور اگر نہ ہو سکے تو عاشوراء ہی کے دن روزہ رکھے، اس روزہ کا ثواب بہت بڑا ہے۔[مسلم شریف]

عاشوراء کے دن دس چیزوں کو علماء نے مستحب لکھا ہے۔ بعض عالموں نے ان کو ارشادِ نبوی کہا ہے اور بعض نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول بتایا ہے۔ بہر حال یہ سب اچھے اعمال ہیں، لہٰذا ان کو کرنا چاہیے:

۱......روزہ رکھنا	۲......صدقہ کرنا
۳......نمازِ نفل پڑھنا	۴......ایک ہزار مرتبہ ''قل ھو اللّٰہ'' پڑھنا
۵......علماء کی زیارت	۶......یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا
۷......غسل کرنا	۸......اپنے اہل وعیال کے رزق میں وسعت کرنا
۹......سرمہ لگانا	۱۰......ناخن تراشنا

اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان دس چیزوں کے علاوہ تین چیزیں اور بھی مستحب ہیں:

۱......مریضوں کی بیمار پرسی ۲......دشمنوں سے ملاپ کرنا ۳......دعاءِ عاشوراء پڑھنا

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص عاشوراء کے دن اپنے بال بچوں کے کھانے پینے میں خوب زیادہ فراخی اور کشادگی کرے گا، یعنی زیادہ کھانا تیار کرا کر خوب پیٹ بھر کر کھلائے گا، اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس کے رزق میں وسعت اور خیر و برکت عطا فرمائے گا''---[ماثبت بالسنۃ]

مجالسِ محرم

عشرۂ محرم بالخصوص دسویں محرم کو مجلس منعقد کرنا اور صحیح روایتوں کے ساتھ شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کے فضائل وواقعاتِ کربلا کو بیان کرنا، جائز اور باعثِ ثواب ہے اور حدیث شریف میں ہے:

''جن مجالس میں صالحین کا ذکر ہو وہاں رحمت نازل ہوتی ہے''---

پھر چوں کہ ان واقعات میں صبر و تحمل اور تسلیم و رضا اور پابندیٔ شریعت کا بے مثال عملی نمونہ

بھی ہے، اس لیے کربلا کے واقعات کو بار بار بیان کرنے سے مسلمانوں کو دین پر استقامت حاصل ہوگی، جو اسلام کا عطر اور ایمان کی روح ہے۔ مگر ہاں اس کا خیال رہے کہ ان مجلسوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ذکرِ خیر ہو جانا چاہیے تاکہ اہل سنت اور شیعوں کی مجلسوں میں فرق و امتیاز رہے۔ [بہارِ شریعت]

میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی محفلوں کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ یہ سب جائز و درست اور بہت ہی بابرکت محفلیں ہیں اور یقیناً باعثِ ثواب اور مستحب ہیں، اس لیے ان کو نہایت اخلاص و محبت سے کرنا چاہیے اور ان محفلوں اور مجلسوں میں نہایت ہی محبت و عقیدت کے ساتھ حاضری دینی چاہیے۔

فاتحہ

محرم کے دس دنوں تک خصوصاً عاشوراء کے دن شربت پلا کر، کھانا کھلا کر، شیرینی پر یا کھچڑا پکا کر شہداءِ کربلا کی فاتحہ دلانا اور ان کی مقدس روحوں کو ثواب پہنچانا، یہ سب جائز اور ثواب کے کام ہیں اور ان سب چیزوں کا ثواب یقیناً شہداءِ کربلا کی روحوں کو پہنچتا ہے اور اس فاتحہ و ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اہل سنت کے چاروں اماموں کا اتفاق ہے [ھدایہ و شرح عقائد] پہلے زمانوں میں فرقۂ معتزلہ اور اس زمانے میں فرقۂ وہابیہ اس مسئلہ میں اہل سنت کے خلاف ہیں اور فاتحہ اور ایصالِ ثواب سے منع کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان اہلِ سنت کو لازم ہے کہ ہرگز ہرگز نہ ان کی باتیں سنو، نہ ان لوگوں سے میل جول رکھو۔

محرم کا کھچڑا

عاشوراء کے دن کھچڑا پکانا فرض یا واجب نہیں ہے، لیکن اس کے حرام و ناجائز ہونے کی بھی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے، بلکہ ایک روایت ہے کہ خاص عاشوراء کے دن کھچڑا پکانا حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی سنت ہے۔ چناں چہ منقول ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تو عاشوراء کا دن تھا۔ آپ نے کشتی میں سے تمام اناجوں کو باہر نکالا، تو فول (بڑی مٹر)، گیہوں، جو، مسور، چنا، چاول، پیاز، سات قسم کے غلے موجود تھے۔ آپ نے ان ساتوں اناجوں کو ایک ہانڈی میں ملا کر پکایا۔ چناں چہ علامہ شہاب الدین قلیوبی نے فرمایا کہ مصر میں جو کھانا عاشوراء کے دن "طبیخ الحبوب" (کھچڑا) کے نام سے پکایا جاتا ہے، اس کی اصل دلیل یہی حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہے۔ [القلیوبی]

شبِ براءت کا حلوہ

شبِ براءت میں حلوہ پکانا نہ تو فرض وسنت ہے، نہ حرام و ناجائز۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ شبِ براءت میں دوسرے تمام کھانوں کی طرح حلوہ پکانا بھی ایک مباح و جائز کام ہے اور اگر اس نیک نیتی کے ساتھ ہو کہ ایک عمدہ اور لذیذ کھانا فقراء و مساکین اور اپنے اہل وعیال کو کھلا کر ثواب حاصل کرے تو یہ ثواب کا کام بھی ہے۔

درحقیقت اس رات کے حلوے کا دستور یوں نکل پڑا کہ یہ مبارک رات صدقہ وخیرات اور ایصالِ ثواب وصلہ رحمی کی خاص رات ہے۔ لہٰذا انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس رات کوئی مرغوب اور لذیذ کھانا پکایا جاوے۔ بعض عالموں کی نظر بخاری شریف کی اس حدیث پر پڑی:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَ الْعَسَلَ ---

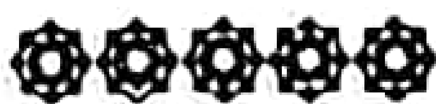
"رسول اللہ ﷺ حلوہ (شیرینی) اور شہد کو پسند فرماتے تھے"---

لہٰذا ان علماء کرام نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس رات میں حلوہ پکایا، پھر رفتہ رفتہ عوام میں بھی اس کا چرچا اور رواج ہوگیا۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ہندوستان میں شب براءت کو روٹی اور حلوہ پر فاتحہ دلانے کا دستور ہے اور سمرقند و بخارا میں "قتلما" پر، جو ایک میٹھا کھانا ہے۔

الغرض شب برأت کا حلوہ ہو یا عید کی سویاں، محرم کا کھچڑا ہو یا مالیدہ، محض ایک رسم و رواج کے طریقہ پر لوگ پکاتے، کھاتے اور کھلاتے ہیں، کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ فرض یا سنت ہے، اس لیے اس کو ناجائز کہنا درست نہیں۔ یاد رکھو کہ کسی حلال کو حرام ٹھہرانا، اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگانا ہے، جو ایک بدترین گناہ ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ --- [یونس:۵۹]

"کہہ دو، بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا، اس میں تم نے اپنی طرف سے کچھ حرام کچھ حلال ٹھہرا لیا، (اے پیغمبر!) کہہ دو کیا اللہ نے اس کا تمھیں حکم دیا ہے یا اللہ پر تم لوگ تہمت لگاتے ہو"---



دس گمراہ کن سوالات کے ایمان افروز جوابات

مفتی محمد ابراہیم قادری، سکھر

ایک اسلامی دوست نے "فلاح کا راستہ" نامی کتابچہ دکھایا، اس کے آخر میں دس سوالات درج ہیں، ان کا حل پوچھا۔

یہ کتابچہ درحقیقت جھوٹ اور گمراہی کا پلندہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسی کتابیں پڑھنے سے اجتناب کریں اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے علماء اہل سنت کی کتب کا مطالعہ کریں اور انھیں سے دین کے معاملہ میں رہنمائی حاصل کریں۔

یہ سوالات اس لائق نہیں کہ ان کی طرف التفات کیا جائے، مگر عوام الناس کو مؤلف کے دجل وفریب سے بچانے کے لیے یہ چند سطریں لکھی جارہی ہیں۔

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ درحقیت مشکل کشا، حاجت روا، سمیع و بصیر، عالم و دانا، اللہ جل مجدہ الکریم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے اپنے بندوں کو مشکل کشائی، حاجت روائی، سمع و بصر اور علم و دانش سے حصہ عطا فرمایا ہے۔ مثلاً اس نے ماں باپ کو اپنی اولاد کی مشکلات و حاجات میں معاون بنایا، جیسا کہ اس پر آیت کریمہ شاہد ہے:

﴿کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا﴾---[۱]

''جیسا کہ میرے والدین نے میرے بچپن میں میری تربیت کی''---

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں، کوڑھیوں کو ٹھیک کرتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے، یہ بھی اعلیٰ درجہ کی مشکل کشائی و حاجت روائی ہے، جسے قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾---[۲]

''اور میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے''---

سمع و بصر اور علم و دانش جیسی صفات کا بندوں کو حاصل ہونا تو ایسا بدیہی امر ہے، جس کا سائل بلکہ کوئی جاہل سے جاہل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا﴾---[۳]

''ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا کیا''---

اور سمع و بصر کو علم لازم ہے، لہٰذا فرماتا ہے:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾---[۴]

''انسان کو وہ کچھ سکھایا، جسے وہ نہیں جانتا تھا''---

اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ موت جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں آتی۔ جسم مر جاتا ہے مگر روح نہیں مرتی، نہ ہی روح کے ادراکات ختم ہوتے ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جب کہ اس پر شرعِ مطہر شاہد ہے، چناں چہ احادیثِ طیبہ میں آیا ہے کہ اہلِ قبور ہمارا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ علم و ادراک، قوت و تصرف کا اصل محل و مقام روح ہے، جسم نہیں اور جسم کے لیے قرب و بعد ہے، روح کے لیے نہیں۔ وہاں بعد بھی قرب ہے اور اس کی دلیل ارواح کا سلام سننا اور ان کا جواب دینا ہے۔ اگر روح جنت میں ہے تو وہاں سے وہ آواز سن لیتی ہے۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ بندگانِ خدا، مددِ الٰہی کا وسیلہ ہیں۔ اصل مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وسیلہ کی طرف قول کی نسبت عرف و شرع میں معروف ہے۔ کہا جاتا ہے بارش نے سبزہ اُگایا، حالاں کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اگایا، مگر بارش وسیلہ ہے، اس لیے اگانے کی نسبت بارش کی طرف کی جاتی ہے۔ ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ ماں باپ نے پالا، حالاں کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے پالا۔

مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور مردوں کو زندہ کرنے والا بھی اللہ ہے، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ حلِ مشکلات و حاجات میں وسیلہ ہیں، اس لیے ان افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف فرمائی۔ چناں چہ فرماتا ہے:

﴿وَ تُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ﴾---[۵]

''اور آپ اچھا کرتے تھے مادرزاد اندھوں اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور قبروں سے مردوں کو نکال کر زندہ کرتے تھے میرے حکم سے''---

ان تمہیدی کلمات کے بعد بعونہٖ تعالیٰ سوالات اور ان کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں:

سوال نمبر 1

اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہستی مشکل حل کر سکتی ہے تو بتایئے کہ سائل اور مشکل کشا کے درمیان ہزاروں میل کی دوری پر وہ زندگی میں یا زندگی کے بعد قبر میں آواز سن سکتا ہے؟

جواب

جیسا کہ پہلے آچکا ہے کہ حقیقی مشکل کشا اللہ جل مجدہٗ الکریم ہے اور اس کی عطا سے اس کے اصحابِ کمال بندے مشکل حل فرما سکتے ہیں اور اہلِ حاجت کی آواز کو باذنِ اللہ سن سکتے ہیں، اگرچہ دونوں کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہو۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے کہ سننے کی اصل صلاحیت روح میں ہے اور روح قبر میں مقید نہیں، جیسا کہ سائل نے گمان کیا ہے۔ مرنے کے بعد روح کے کمالات پہلے سے کہیں بڑھ جاتے ہیں اور اس کا ہر کام خرقِ عادت و کرامت کے طور پر ہوتا ہے۔

اس پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:

① احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنگل میں تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے اور تمہیں مدد کی ضرورت محسوس ہو تو کہو:

یَا عِبَادَ اللّٰهِ! اَعِیْنُوْنِیْ، یَا عِبَادَ اللّٰهِ! اَعِیْنُوْنِیْ، یَا عِبَادَ اللّٰهِ! اَعِیْنُوْنِیْ---[۶]

''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو''---

② حافظ ابن کثیر نے ''البدایة و النهایة'' میں لکھا ہے کہ جنگ یمامہ میں

حضرات صحابہ و تابعین کرام ﷺ نے مشکلاتِ جنگ میں حضور سیدِ عالم ﷺ کو پکارتے ہوئے استغاثہ کیا اور اس مشکل میں فریاد کی۔ حافظ ابنِ کثیر کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

وَ نَادیٰ بِشِعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ کَانَ شِعَارُھُمْ یَوْمَئِذٍ یَا مُحَمَّدَاہ---[۷]

''حضرت خالد بن ولید ﷺ نے مسلمانوں کا مخصوص نعرہ لگایا اور اس دن لشکرِ اسلام کی نشانی یہ تھا، یَا مُحَمَّدَاہ''---

یعنی اے محمدِ کریم! ہماری مدد فرمائیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اربابِ کمال سے استمداد جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ارواح کے لیے اللہ تعالیٰ قریب و بعید کا فرق مٹا دیتا ہے اور ہزاروں میل سے امداد کرنا ان کے لیے سہل بنا دیتا ہے۔ اسی بنا پر علامہ علی قاری حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّ اُمُوْرَ الْاٰخِرَۃِ مَبْنِیَّۃٌ عَلٰی خَرْقِ الْعَادَۃِ---[۸]

''کیوں کہ آخرت کے معاملات خلافِ عادت و کرامت پر مبنی ہیں''---

سوال نمبر 2

اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اتنے فاصلے پر آواز سن سکتا ہے، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر زبان سے واقف ہے یا نہیں؟ مثلاً سرائیکی والا سرائیکی میں مشکل پیش کرے گا، اسی طرح جرمن، جرمنی زبان میں، انگریز، انگریزی زبان میں اور پٹھان، پشتو زبان میں آواز دے گا۔

جواب

احادیثِ صحیحہ میں آیا، جنھیں اصحابِ صحاح ستہ نے بھی روایت کیا کہ جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے منکر نکیر نامی آتے ہیں اور اس سے تین سوال کرتے ہیں۔ مردہ ان سوالوں کا جواب دیتا ہے، کوئی صحیح جواب دیتا ہے کوئی غلط۔ علماء نے لکھا کہ یہ سوالات عربی یا عبرانی زبان میں ہوں گے اور مردے کو وہ زبان آ جائے گی۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمہ نے عربی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا:

﴿وَ لَوْ کَانَ الْمَیِّتُ اَعْجَمِیًّا صَارَ عَرَبِیًّا﴾---[۹]

''اگر مردہ عجمی ہوگا، جب بھی وہ عربی ہو جائے گا''---

جب مرنے کے بعد عام مومن و کافر دوسری زبان سمجھ سکتے ہیں، تو ارواحِ صالحین کا بعد از وصال

دوسری زبانوں کو سمجھنا کیوں کر بعید ہوسکتا ہے۔

اور احادیثِ طیبہ میں آیا ہے کہ جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر سے لڑائی کرتی ہے، اسے تکلیف پہنچاتی ہے تو جنت کی حور جو اس کے لیے نامزد ہے، کہتی ہے:

لَا تُؤْذِیْہِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُفَارِقَکِ اِلَیْنَا---[۱۰]

''اللہ تجھے ہلاک کرے، اسے تکلیف نہ دے، وہ تیرے پاس چند روزہ مہمان ہے، عن قریب وہ تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آنے والا ہے''---

اس حدیث کی رو سے آدمی کی عورت سرائیکی، پشتو، انگریزی، سندھی زبان میں اس سے لڑائی جھگڑا کرے، جنت کی حور اس کی زبان سمجھ لیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عالمِ آخرت کے معاملات وَہبی اور خلافِ عادت ہیں، انھیں اس دنیا کے معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں جو امور کسبی ہیں، وہ وہاں محض وَہبی ہو جاتے ہیں۔

سوال نمبر 3

اگر یہ بات ثابت بھی کر دی جائے کہ وہ ہستی ہر زبان سے واقف ہے، تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ اگر ایک لحہ میں سیکڑوں یا ہزاروں لوگ اپنی مشکل اس کے سامنے پیش کریں تو کیا وہ ان سب کی مشکلات اس لحہ میں سن اور سمجھ لے گا یا اس کے لیے قطار بنانے کی ضرورت پیش آئے گی؟

جواب

روح کے لیے یہ بھی مشکل نہیں کہ وہ ایک لحہ میں ہزاروں آوازوں کو سنے اور ان میں امتیاز پیدا کرے۔ اس پر شرعی شواہد موجود ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

① احادیثِ کریمہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْہِ الْمُؤْمِنِ کَانَ یَعْرِفُہٗ فِی الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِلَّا عَرَفَہٗ وَ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ---[۱۱]

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر سے گزرے، جو اسے دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کرے تو وہ اسے اب بھی پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے''---

② حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے آقا و مولا ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے راستے میں قبرستان پڑتا ہے، یارسول اللہ! میں وہاں سے گزرا کروں تو کیا پڑھوں؟"---

آپ نے ارشاد فرمایا، کہو:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّ نَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَّ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ﴾---

پھر حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! يَسْمَعُوْنَ؟---

"یارسول اللہ! کیا مردے سنتے ہیں؟"---

فرمایا:

يَسْمَعُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يُّجِيْبُوْا---

"سنتے ہیں، مگر جواب نہیں دے سکتے"---

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اَیْ جَوَابًا يَسْمَعُهُ الْحَیُّ وَ اِلَّا فَهُمْ يَرُدُّوْنَ حَيْثُ لَا يُسْمَعُ---[۱۲]

"حدیث کے معنی یہ ہیں کہ مردے ایسا جواب نہیں دیتے، جسے زندہ سن لے، ورنہ وہ سلام کا ایسا جواب تو دیتے ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتا"---

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ اگر قبرستان سے گزرنے والے لوگ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہوں، جب بھی عامہ اہلِ قبوران سب کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ پھر اربابِ کمال کے کیا کہنے، پھر سید المرسلین ﷺ کے کیا کہنے۔ چناں چہ:

③ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ---[۱۳]

"مجھے جو کوئی مسلمان سلام عرض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہوں"---

④ حافظ ابن قیم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِکَ؟ قَالَ وَ بَعْدَ وَفَاتِیْ، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ---[۱۴]

''جو بندہ مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ جہاں کہیں ہو مجھ تک اس کی آواز پہنچتی ہے۔ ہم نے عرض کیا اور آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا، میری وفات کے بعد بھی، (کیوں کہ) اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے''---

یہ بات ہر ذی شعور جانتا ہے کہ دن رات میں ایسا کوئی لمحہ نہیں گزرتا جس میں ہزار ہا انسان، جنات، ملائکہ حضور سید الخلق ﷺ کے حضور میں درود و سلام نہ عرض کرتے ہوں۔ سرکار ﷺ ان درودوں کو سنتے ہیں، سلاموں کو سماع کا شرف بخشتے ہیں اور پھر جواب سے نوازتے ہیں۔ معلوم ہوا ارواح کے لیے مختلف و متعدد آوازوں کو سننا کچھ دشوار نہیں۔ آپ کے خیالِ فاسد کی بنیاد یہ ہے کہ آپ نے برزخ کو دنیا پر قیاس کیا، حالاں کہ برزخ کے معاملات دنیا سے یک سر مختلف ہیں۔ دنیا کے معاملات کسبی محض ہیں اور برزخ کے امور وہبی۔ یہاں جو امور روح کو حسبِ عادت حاصل ہوتے ہیں، عالمِ برزخ میں بطورِ خرقِ عادت حاصل ہوتے ہیں۔ صرف قبر کو لے لیجیے کہ دنیا میں اگر کوئی شخص قبر جتنی جگہ کو اختیار کرے گا، تنگی کے ساتھ بیٹھے گا، مگر برزخ میں یہی جگہ اس کے لیے ستر گز تک وسیع کر دی جاتی ہے۔ چاروں طرف سے بند کمرے میں ہوا کا راستہ بھی نہ ہو، اندر کی آواز باہر اور باہر کی اندر نہیں جا سکتی مگر قبر والا جس پر منوں ٹنوں مٹی ڈال دی گئی، جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔

سوال نمبر 4

کیا اس ہستی کو کبھی نیند بھی آتی ہے یا وہ ہمیشہ جاگتا رہتا ہے؟ اگر کبھی نیند آتی ہے تو پھر ہمارے پاس ایک لسٹ ہونی چاہیے کہ کب اس کو نیند آتی ہے اور کب وہ جاگ رہا ہوتا ہے، تا کہ ہم اپنی مشکل صرف اس وقت پیش کریں جب کہ وہ سو نہ رہا ہو یا وہ نیند میں بھی سنتا ہے؟

جواب

موت بدن کو آتی ہے روح کو نہیں آتی، روح ہمیشہ زندہ رہتی و باقی رہے گی۔ چناں چہ احادیثِ شریفہ میں آیا ہے کہ مردہ اپنے نہلانے والے، کفنانے والے، جنازہ اٹھانے والے اور

قبر میں اتارنے والے کو پہچانتا ہے اور پہچاننا بدن کا نہیں روح کا کام ہے، جب روح کے ادراکات، علم، سمع، بصر، مرنے کے بعد بھی قائم ہیں، تو اسے کب موت آئی؟ ہاں موت بدن پر آتی ہے اور نیند موت کی چھوٹی بہن ہے، لہٰذا اسی کو آئے گی جسے موت آئے گی اور جو موت سے مبرا ہے، وہ نیند سے بھی پاک ہے۔ حدیث پاک میں ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ مَنْ یَغْسِلُہٗ وَ یَحْمِلُہٗ وَ مَنْ یُکَفِّنُہٗ وَ مَنْ یُدْلِیْہِ فِیْ حُفْرَتِہٖ---[۱۵]

''مردہ اسے پہچانتا ہے جو اسے غسل دیتا ہے اور جو اسے اٹھاتا ہے اور جو اسے کفن پہناتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے''---

سوال نمبر 5

ایک شخص بولنے سے قاصر ہے، وہ ایسی مشکل میں مبتلا ہے کہ اس کا گلا بند ہو چکا ہے، اگر وہ دل ہی دل میں اپنی مشکل پیش کرے، تو کیا وہ اس کی دِلی فریاد بھی سن لے گا؟

جواب

جب ارواحِ کاملین ہزاروں لاکھوں میل کی دوری سے دیکھ سکتی ہیں اور آوازیں سن سکتی ہیں تو بہ عطاءِ الٰہی خلقِ خدا کے قلبی احوال اور بدنی احوال پر کیوں نہیں مطلع ہو سکتیں؟ حدیث شریف میں ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ---[۱۶]

''مومن کی فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''---

اس کی تشریح میں مولانا وحید الزمان رقم طراز ہیں:

''مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور دلوں کے اندر کی حالت معلوم کر لیتا ہے''---[۱۷]

علامہ ابن حجر ہیتمی ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں فرماتے ہیں:

وَ سُئِلَ بَعْضُھُمْ عَنِ الْفِرَاسَۃِ فَقَالَ اَرْوَاحٌ تَتَقَلَّبُ فِی الْمَلَکُوْتِ فَتُشْرِفُ عَلٰی مَعَانِ الْغُیُوْبِ فَتَنْطِقُ عَنْ اَسْرَارِ الْخَلْقِ نُطْقَ مُشَاھَدَۃٍ وَ عَیَانٍ لَا نُطْقَ ظَنٍّ وَّ حُسْبَانٍ---[۱۸]

''بعض علماء سے فراست کے معنی پوچھے گئے، تو فرمایا، کچھ روحیں ملکوت میں

سیر کرتی ہیں، تو غیبی امور پر مطلع ہو کر خلق کے مخفی احوال کی خبریں دیتی ہیں اور ان کا اَسرارِ خلق میں کلام فرمانا، مشاہدہ و معاینہ پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ ظن و گمان پر"---

علامہ علی قاری حنفی علیہ الرحمہ نے شرح مشکوٰۃ کے متعدد مقامات پر اہلِ ایمان کے نورِ فراست کے کئی واقعات درج فرمائے ہیں، یہاں ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمہ حضرت امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"امام الحرمین ابوالمعالی بن امام ابومحمد جوینی ایک بار نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد مسجد میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ وہاں سے بعض صوفیہ کا اپنے اصحاب کے ساتھ گزر ہوا، جو کسی دعوت پر تشریف لے جارہے تھے:

فَقَالَ الْإِمَامُ فِیْ نَفْسِہٖ مَا شُغْلُ ھٰؤُلَاءِ إِلَّا الْاَکْلُ وَ الرَّقْصُ؟ فَلَمَّا رَجَعَ الشَّیْخُ مِنَ الدَّعْوَۃِ مَرَّ عَلَیْہِ فَقَالَ یَا فَقِیْہُ! مَا تَقُوْلُ فِیْمَنْ یُّصَلِّی الصُّبْحَ وَ جُنُبٌ وَ یَقْعُدُ فِی الْمَسْجِدِ وَ یَدْرُسُ الْعُلُوْمَ وَ یَغْتَابُ النَّاسَ؟ فَتَذَکَّرَ إِمَامُ الْحَرَمَیْنِ اَنَّہٗ کَانَ عَلَیْہِ غُسْلٌ ثُمَّ حَسُنَ اِعْتِقَادُہٗ بَعْدَ ذَالِکَ فِی الصُّوْفِیَۃِ---[۱۹]

"امام الحرمین نے دل ہی دل میں کہا کہ ان لوگوں کا کام صرف دعوتیں اُڑانا اور رقص کرنا ہے؟ پھر جب شیخ دعوت سے فارغ ہو کر وہاں سے گزرے تو فرمایا، اے فقیہ! تیرا اُس شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے، جو حالتِ جنابت میں صبح کی نماز ادا کرتا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر علومِ شرعیہ کا درس دیتا ہے اور لوگوں کی غیبت کرتا ہے؟ یہ سن کر امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر غسلِ جنابت باقی ہے۔ اس کے بعد امام الحرمین حضراتِ صوفیہ سے حسنِ عقیدت رکھنے لگے"---

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو کیسا نورِ باطن عطا فرماتا ہے کہ وہ صرف لوگوں کے قلبی خطرات پر ہی مطلع نہیں ہوتے بلکہ ان کے وہ احوال جن سے وہ خود غافل ہوتے ہیں، اہل اللہ آگاہ ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا جن کا نورِ بصیرت ایسا شان دار ہو، وہ احوالِ خلق کو جاننے کے لیے چیخ و پکار کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ لوحِ قلب پڑھ کر پراگندہ حال لوگوں کی دست گیری فرمایا کرتے ہیں۔

سوال نمبر 6

انسان کو پیدائش سے لے کر موت تک چھوٹی بڑی تمام مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اگر وہ تمام مشکلات اللہ تعالیٰ حل کر سکتا ہے، تو پھر غیرِ خدا کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر غیر ان تمام مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے تو پھر اللہ کی کیا حاجت؟

جواب

ہر مشکل چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ تعالیٰ ہی حل فرماتا ہے۔ اس کے بندے اس کی مدد کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ جیسے شفا اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور وہی اپنے بندوں کو پالتا ہے مگر ڈاکٹر، حکیم وسیلہ شفا ہیں اور ماں باپ وسیلہ تربیت ہیں اور سائل سمیت پوری دنیا کے لوگ وسائل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نظامِ دنیا وسائل و اسباب ہی کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ یہی حال اولیاء و انبیاء کا ہے کہ وسیلہ امدادِ خداوندی ہیں اور خلقِ خدا انہیں وسیلہ و ذریعہ اعتقاد رکھتے ہوئے ان کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اگر کوئی سائل سے اس کے الفاظ میں پوچھے کہ انسان کو پیدائش سے لے کر موت تک چھوٹی بڑی بیماریوں کا سامنا ہوتا ہے، اگر تمام بیماریاں اللہ تعالیٰ دور کر سکتا ہے تو پھر ڈاکٹر حکیم کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت اور اگر ڈاکٹر حکیم ان بیماریوں کے دور کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں، تو پھر اللہ کی کیا حاجت؟ فما ھو جوابکم فھو جوابنا

سوال نمبر 7

اگر غیر اللہ مشکل کشا تمام مشکلات حل کرنے پر قادر نہیں، تو ہو سکتا ہے کہ کچھ مشکلات حل کرنے کا بیڑا اللہ نے اٹھایا ہو اور کچھ مشکلات حل کرنے کے اختیارات کسی غیر کو دے رکھے ہوں، ایسی صورت میں تو ہمارے پاس یہ فہرست ہونی چاہیے کہ کون سی مشکلات اللہ حل کرنے پر قادر ہے اور کون سی مشکلات غیر حل کر سکتا ہے، تاکہ سائل اپنی مشکل اس کے سامنے پیش کر سکے جو اس کے حل کرنے پر قادر ہو۔

جواب

اگرچہ اس بے ہودہ سوال کا جواب، سوال نمبر ۶ کے جواب میں آچکا ہے، مگر مزید وضاحت کے لیے اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ اس بندر بانٹ سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ ہر چھوٹی بڑی مشکل کا حل اسی کے پاس ہے، یہاں تک کہ احادیثِ طیبہ میں آیا کہ جب تیرا نمک ختم ہو جائے تو اللہ سے مانگ

اور تیرا تسمہ ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگ۔ الحمد للہ اہلِ سنت کا عمل اسی پر ہے کہ اصل مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے بندے چھوٹے اور بڑے کاموں میں اس کی مدد کے مظہر ہیں اور ان کی مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ وہابی اس حکمِ شرع پر عمل نہیں کرتا۔ وہ نمک اللہ تعالیٰ کی بجائے دکان دار سے مانگتا ہے اور تسمہ بھی دکان دار سے یا موچی سے مانگتا ہے اور چندہ اغیار سے مانگتا ہے، کیا یہ مشکلات اللہ تعالیٰ حل نہیں کرسکتا؟ اگر کرسکتا ہے تو پھر حلِ مشکلات کے لیے غیر اللہ کے پاس کیوں جاتا ہے؟ ہاں اگر وہابی دریا میں ڈوب رہا ہے اور قریب میں کوئی سہارا دینے والا ہو تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہابی اسے ماتحت الاسباب میں داخل کر کے بندوں کو خدا کا شریک گردانتا ہوا بلکہ بندوں کی مدد کو خدا کی مدد سے اعلیٰ سمجھتا ہوا صرف بندے سے مدد کا طلب گار ہو گا اور اس کی توحید میں کچھ بگاڑ نہیں آئے گا۔ ہاں اگر دور دور تک اسے کوئی نجات دہندہ دکھائی نہ دے تو ایسے میں وہ سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں پکارے گا۔ اب ہم تم سے تمہاری ہی زبان میں پوچھتے ہیں کہ کچھ کاموں میں تم غیر اللہ سے مدد مانگتے ہو اور کچھ میں صرف اللہ تعالیٰ سے۔ کیا تم نے کوئی فہرست مرتب کر رکھی ہے، جسے سامنے رکھ کر کچھ مشکلات میں غیر اللہ سے مدد مانگتے ہو، کچھ میں اللہ تعالیٰ سے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی

سوال نمبر 8

کیا اللہ کے سوا جو ہستی مشکل سے نکال سکتی ہے، وہ مشکل میں ڈال بھی سکتی ہے یا اس کی ڈیوٹی صرف حل کرنے پر ہے؟ اگر وہ مشکل حل کرسکتی ہے تو پھر ڈالنے والا کون ہے؟

جواب

مشکل سے نکالنا یا مشکل میں ڈالنا، کسی کو نفع دینا یا ضرر و نقصان پہنچانا، اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ جل شانہٗ جسے چاہے اپنے حکم سے نافع وضار بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفا دینے والا، کھانے کو بھوک مٹانے والا اور پانی کو پیاس بجھانے والا بنایا، زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا تو یہ سب نافع ہوئے اور سانپ بچھو کو موذی بنایا، زہر کو قاتل اور بدعقیدہ کو سمِ قاتل بنایا تو یہ سب مضر ہوئے اور ان سب کا نفع و ضرر بہ حکمِ خدا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث کے شواہد ملاحظہ ہوں:

(الف) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾---[۲۰]
''اور جادوگر، جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے''---

(ب) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾---[۲۱]
''اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا، اس میں بڑی طاقت ہے اور لوگوں کے لیے طرح طرح کے فائدے ہیں''---

(ج) حضور سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:
مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَنْفَعَ اَخَاہُ فَلْیَنْفَعْہُ---[۲۲]
''تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نفع پہنچائے''---

❶ غزوۂ حنین میں جب لشکرِ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو گھیرا تو آپ نے اپنی سواری سے اتر کر ایک مشتِ خاک لی اور ''شَاھَتِ الْوُجُوْہُ'' (چہرے بگڑ گئے) فرما کر ان سب کی طرف خاک پھینکی:

فَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْھُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَأَ عَیْنَیْہِ تُرَابًا بِتِلْکَ الْقُبْضَۃِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ فَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ---[۲۳]
''لشکرِ کفار میں ایسا کوئی انسان نہیں تھا، جس کی دونوں آنکھیں نہ بھر گئی ہوں، پھر وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شکست دی''---

❷ جب سیدنا رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ شاہِ ایران کو نامۂ گرامی بھیجا اور اس نے نامۂ مبارکہ کو پھاڑ دیا، تو سرکار ﷺ نے اس کے ردِّ عمل میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:
اَنْ یُمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ---[۲۴]
''ان کے مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں''---

زبانِ کریم سے یہ جملے جاری ہوئے کہ مختصر عرصہ میں کسریٰ کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سلطنتِ ایران کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

❸ جنگِ یمامہ میں شدائدِ جنگ کے دوران صحابہ و تابعین نے منکرینِ ختمِ نبوت

کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے "یَا مُحَمَّدَاہ!" کہہ کر نصرت واعانت چاہی۔ اگر یہاں صرف "یَامُحَمَّدُ!" ہوتا جب بھی مطلوب ثابت تھا، مگر "یَا مُحَمَّدَاہ!" میں الف استغاثہ کا ہے۔ ان اہلِ توحید نے خیر القرون کے زمانہ میں دشمنانِ دین کے خلاف محمد کریم ﷺ کو مستغاث ومستعان بنایا۔

❹ آقا ومولیٰ ﷺ نے شام کے ابدالوں کے بارے میں فرمایا:

یُسْقٰی بِھِمُ الْغَیْثُ وَ یُنْصَرُبِھِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَ یُصْرَفُ عَنْ اَھْلِ الشَّامِ بِھِمُ الْعَذَابُ---[۲۵]

"ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں، ان کے وسیلے سے دشمنوں پر فتح نصیب ہوتی ہے اور ان کے بابرکت وجود سے اہلِ شام سے عذاب ٹلتے ہیں"---

❺ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ قیادت ایک لشکر نہاوند کے مقام پر، جو کہ مدینہ طیبہ سے تقریباً اڑھائی ہزار کلومیٹر دور ہے، لشکرِ کفار سے برسرِ پیکار تھے۔ دشمن کا ایک دستہ پہاڑ کے عقب سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے، اُدھر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبرِ رسول ﷺ پر کھڑے خطبۂ جمعہ دے رہے ہیں، اس دوران میں نقشۂ جنگ نگاہوں میں ہے۔ قبل اس کے کہ دشمن اپنا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچائے، آپ نے قائدِ لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے تین بار بآوازِ بلند "یَا سَارِیَۃُ! اَلْجَبَلَ" فرمایا، جس پر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے بھی منصوبہ بندی فرما کر لشکرِ اسلام کو شکست سے بچالیا۔[۲۶]

معلوم ہوا کہ محبوبانِ خدا صرف مشکل کشا ہی نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات باذنِ الٰہی دشمن کو مشکل، ہلاکت وبربادی اور ذلت وخواری سے دوچار کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر 9

بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ مشکلات ڈالنے والا اور غیر اللہ مشکل حل کرنے والا ہے۔ بالفرض ایک ہستی مشکل ڈالنے پر مقرر ہو اور دوسری حل کرنے پر تو دونوں میں سے کون سی ہستی اپنا فیصلہ واپس لے گی؟

جواب

یہ سوال سائل کا محض دھوکا ہے، جو اپنی جہالت یا تجاہل سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اور اس کے محبوب بندوں میں طاقت تقسیم ہے، بعض چیزوں کی طاقت اللہ کے پاس ہے اور بعض کی طاقت بندوں کے پاس ہے۔ چوں کہ یہ ایک طاقت کا مالک ہے اس لیے ان میں تصادم ممکن ہے اور اس تصادم کے نتیجے میں اگر ایک ہستی غالب آ گئی تو دوسری کو اپنا فیصلہ واپس لینا ہوگا۔

حالاں کہ دنیا میں کوئی مسلمان اللہ اور بندے میں طاقت کی تقسیم کا قائل ہے، نہ ہی ان میں تصادم کا۔ طاقت کا منبع اور سرچشمہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محبوبانِ خدا کی طاقت اس کی عطا کردہ ہے۔ وہ اپنی طاقت کے استعمال میں سرکش اور خدا کے مدِّمقابل نہیں بلکہ اپنی طاقت کے استعمال میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ یہ ایسا عقیدہ ہے جس کا انکار نہیں کرے گا مگر زندیق اور بے دین۔

اب پہلے قرآنی دلائل سے مقبولانِ خدا کی طاقت کا جائزہ لیجیے، پھر ان کا طاقت کے استعمال میں ماذون من اللہ ہونے پر قرآنی نصوص کا مشاہدہ کیجیے:

① حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ ﷻ نے ہوا کو ان کے قابو میں کر دیا تھا اور ان کے حکم سے چلتی تھی۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾---[۲۷]

”اور ہم نے ہوا کو (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے قابو میں دے دیا، صبح کی منزل ایک ماہ اور شام کی منزل ایک ماہ“---

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ﴾---[۲۸]

”ہم نے ہوا (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے قابو میں دے دی کہ وہ ان کے حکم سے نرم نرم چلتی ہے“---

اور سورۃ الانبیاء میں ان کے تسخیری کمال کا اس طرح ذکر ہوتا ہے:

﴿وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾---[۲۹]

”اور (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے لیے تیز ہوا قابو کر دی کہ وہ ان کے حکم سے بابرکت زمین کی طرف چلتی تھی“---

② اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾---[۳۰]

''اور ہم نے (حضرت) داؤد کے لیے لوہا نرم کر دیا''---

③ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت بخشی اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس خداداد طاقت کا اعلان کیا اور قرآنِ کریم نے اس اعلان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾---[۳۱]

''اور میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں''---

④ صاحبِ سلیمان علیہ السلام کو دو ماہ کی مسافت پر رکھے ہوئے عظیم الجثہ تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے کم وقت میں لانے کی طاقت دی گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس صاحبِ کمال بندے کا قول اپنے برحق کلام میں اس طرح نقل فرماتا ہے:

﴿اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾---[۳۲]

''میں تختِ بلقیس کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا''---

⑤ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ طاقتوں کا ذکر فرمایا، تو اس کے ساتھ ''بِـاِذْنِ اللّٰـهِ'' کی قید بھی ذکر فرمائی اور اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت جب حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر کیے گئے احسانات گنوائے گا، تو ان انعامات و اکرامات کے ذکر کے ساتھ ''اِذن'' کا ذکر بطورِ خاص فرمائے گا۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ﴾---[۳۳]

''اور آپ اچھا کرتے تھے مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور قبروں سے مردوں کو نکال کر زندہ کرتے تھے میرے حکم سے''---

⑥ سورۃ الکہف میں صاحبِ موسیٰ (حضرت خضر) علیہما السلام کے کمالات کا جب ذکر آیا، تو انھوں نے بعض تکوینی کمالات کے سلسلے میں فرمایا:

﴿وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾---[۳۴]

"یہ سب کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا (بلکہ بحکم الٰہی کیا)"---

ان چھ قرآنی حوالوں سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو تکوینی اختیارات سے نوازتا ہے اور یہ کہ وہ ان اختیارات کا استعمال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے کہ تصادم کی صورت پیش آئے، بلکہ وہ ان اختیارات کا استعمال اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔

سوال نمبر 10

کسی بھی برگزیدہ یا گنہ گار ہستی کا جنازہ پڑھنا ہو تو اس کی بخشش کے لیے اللہ کو آواز دی جائے یا مشکل کشا کو؟

جواب

یہ سوال بھی جہالت ولاعلمی پر مبنی ہے۔ کیوں کہ:

● ......کیا دنیا کے کسی خطہ میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے بھی طلب گارِ مغفرت ہوتا ہے؟

● ......کیا ہر بالغ مسلمان کے جنازہ میں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا...... الخ" نہیں پڑھا جاتا؟

گناہوں کی بخشش صرف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾۔[۳۵]

ہاں اُس کے بندوں کی دعا کی برکت سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ میت کی بخشش فرما دیتا ہے اور نمازِ جنازہ اسی لیے مشروع ہوا کہ بندگانِ خدا سب کے لیے بارگاہِ خدا میں مغفرت کی سفارش کریں اور وہ کریم ان کی سفارش کی لاج رکھ کر میت سے عفو و درگزر کا معاملہ فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حوالہ جات و حواشی

۱......بنی اسرائیل:۴۴ ۲......آل عمران:۴۹

۳......الدھر:۲ ۴......العلق:۵

۵......المائدہ:۱۱۰

۶......معجم کبیر للطبرانی بحوالہ حصن حصین، صفحہ ۱۰۱، مطبوعہ مصر

۷......البدایہ والنہایہ، جلد ۶، صفحہ ۳۲۳، مطبوعہ بیروت

۸......مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ا، صفحہ ۳۵۴، مطبوعہ مکہ مشرفہ

۹......ایضاً صفحہ ۳۵۰ ۱۰......مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی

۱۱......شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، صفحہ ۸۸، مکتبہ نوریہ فیصل آباد

۱۲......شرح الصدور باحوال الموتی والقبور، صفحہ ۸۴

۱۳......مشکوٰۃ شریف، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴......جلاء الافہام، صفحہ ۶۴، مطبوعہ بیروت

۱۵......مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۳، صفحہ ۳، مطبوعہ بیروت

۱۶......ترمذی شریف، جلد ۲، صفحہ ۲۱۴

۱۷......لغات الحدیث، باب الفاء مع الراء

۱۸......فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ ۲۱۱

۱۹......مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ۳، صفحہ ۸۹، مطبوعہ مکہ مکرمہ

۲۰......البقرہ:۱۰۲ ۲۱......الحدید:۲۵

۲۲......؟؟؟؟؟؟ ۲۳......مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۳۴

۲۴......بخاری شریف، جلد ا، صفحہ ۱۵

۲۵......مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۸۳

۲۶......مشکوٰۃ شریف، باب الکرامات/تاریخ الخلفاء للسیوطی

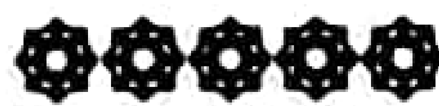
۲۷......السبا:۱۲ ۲۸......ص:۳۶

۲۹......الانبیاء:۸۲ ۳۰......سبا:۱۰

۳۱......آل عمران:۴۹ ۳۲......نمل:۳۹

۳۳......المائدہ:۱۱۰ ۳۴......الکہف:۸۲

۳۵......آل عمران:۱۳۵



خالق کے بعد صرف ہے چانن حضور ﷺ کا

افلاک کی ہیں وسعتیں آنگن حضور ﷺ کا
مرکز نگاہ کا ہے نشیمن حضور ﷺ کا

محشر کا دن ہے، رہنا میرے دوست مطمئن
برسے گا آج بھی یہاں ساون حضور ﷺ کا

نقشِ قدوم ڈھونڈتی ہے اس لیے دھنک
ہر حسنِ کائنات ہے دھوون حضور ﷺ کا

شاہد، خلا نورد بھی ہیں آسمان پر
ہر نقشِ پا ہے آج بھی روشن حضور ﷺ کا

خیر البشر ﷺ کی نعتِ مقدس کے فیض سے
میرا بھی دل ہے مامن و مسکن حضور ﷺ کا

خوشبو کی بھیک مانگ، عروسِ شبِ بہار!
مہکا ہوا ازل سے ہے گلشن حضور ﷺ کا

ہر وقت آ رہی ہیں کرم کی سفارتیں
ہر وقت ہے کھلا ہوا روزن حضور ﷺ کا

جگنو تلاش کرنے کا کچھ فائدہ نہیں
روشن افق افق پہ ہے درپن حضور ﷺ کا

الحاد و کفر و شرک کے گرد و غبار میں
صد شکر ہاتھ میں رہا دامن حضور ﷺ کا

آیات جس کی حکمت و دانش کی سلسبیل
وہ آخری کتاب ہے مخزن حضور ﷺ کا

آقا ﷺ ہمارے نورِ مجسم ہیں، ہر طرف
خالق کے بعد صرف ہے چانن حضور ﷺ کا

یارب! حصارِ رحمتِ آقا ﷺ میں رکھ مجھے
سرچشمۂ حیات ہے بندھن حضور ﷺ کا

پابند جس کے حکم کی ہر چیز ہے ریاضؔ
اس نے کیا نصاب مدوّن حضور ﷺ کا

ریاض حسین چودھری

مقالات حکمت

طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہ

دنیا بھر کے حکماء چارہ سازی سے معذور، میرے آقا روحی فداہ ﷺ کی دعا، ہر مرض کی شفا--- انسانی جسم الوجود میں جملہ امراض موجود رہتے ہیں، کبھی محجوب، کبھی مستور، کبھی ملفوف، نابود نہیں ہوتے--- یقین لا، یقین کر---

میرے آقا و مولیٰ روحی فداہ ﷺ ہر مرض و وباء و بلاء پہ حاوی، سیدنا شاف ﷺ--- روح و نفس کو شفا بخشنے والے---

''سورۂ فاتحہ'' جملہ امراض سے شفا اور زہر کا تریاق--- ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' فاتحہ میں شامل ہے--- آیت شفا میں شفا تلاش کر اور وہ سورہ فاتحہ ہے--- ہر بیماری کے لیے سورۂ فاتحہ ۷، ۲۱، ۴۱، ۱۱۱ بار---

ہر ھم و غم کے لیے درود شریف--- بیماری کوئی بھی ہو، علاج کیسا ہی ہو، شفا اللہ عزوجل کی طرف سے ہوتی ہے--- اگر علاج پہ شفا ہوتی تو بادشاہ اور حکیم کبھی بیمار نہ ہوتے--- طب میں وبا و بلا کا کوئی علاج نہیں، مگر:

- لِیْ خَمْسَةٌ اُطْفِیْ بِھَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَة
  اَلْمُصْطَفٰی وَ الْمُرْتَضٰی وَ ابْنَاھُمَا وَ الْفَاطِمَة
- اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ---

- یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ---
- "ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ رَحْمَۃٌ" لکھ کرناف پر باندھیں، اکسیر ہے---
- طٰہٰ، یٰس، لکھ کرناف پہ باندھ، امید افزا عمل ہے---
- زہر کا تریاق "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ"---
- روشنی کا تریاق "اَلنُّوْرُ بَاسِطٌ"---
- "سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ" پڑھ کر شفا کی دعا مانگ، امید افزا عمل ہے---
- دفع جنات کے لیے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" بار بار پڑھنا مستحسن ہے---

قرآن کریم اللہ کا کلام--- ہر کلام کا سردار اور ہر کلام پہ حاوی ہے--- قرآن کریم کی تلاوت ہر منتر کا نعم البدل ہے--- قرآن کریم کی تلاوت کے بعد کسی اور منتر کی ضرورت سمجھنا قرآن کریم کی شان کے سراسر خلاف ہے--- بیمار جیے، چاہے مرے، قرآن کریم سے باہر کبھی کچھ مت پڑھ--- بے شک قرآن ہر مرض کی شفا ہے--- ہر مرض کے لیے دعا بھی ہے، دوا بھی--- شفاء من اللہ تعالیٰ--- میرے آقا روحی فداہ ﷺ، وسیلۂ شفائے امراض--- ماشاء اللہ

آگے آگے بیماری ہوتی ہے، پیچھے پیچھے شفا--- علاج ہو نہ ہو، مرض کے پیچھے پیچھے شفا آتی ہے--- بعض امراض قطعی ختم نہیں ہوتیں، احتیاطی علاج سے افاقہ رہتا ہے، جیسے ضیق النفس اور ذیابیطس--- معدہ ایک تالاب ہے، حتی الامکان جسم کو سیراب کرنے میں لگا رہتا ہے--- قبض کے باعث مکدر اور قبض کی بدولت ریحان--- انسانی جسم الوجود میں نوے فیصد امراض، معدہ کی پیداوار ہیں--- قبض دل کو، دماغ کو اور دماغ جملہ اعصاب کو متاثر کرتا ہے---

- اسپغول دو چمچ رات کو سوتے وقت نیم گرم دودھ سے استعمال کریں، قبض کے لیے مفید ہے---
- بادام روغن انتڑیوں کے زنگ کا مایہ ناز علاج--- اگر دودھ ملا لیں تو سریع الاثر اور شہد ملا کر سراپا اکسیر---
- ہڑڑ کابلی، ہزار ہا امراض کی شفا، یہاں تک کہ سرطان کے لیے بھی نافع، سرمہ کی طرح پیس کر منہ میں رکھنا، سرطان کا امید افزا علاج---
- اگر کوئی برسات کے موسم میں رج کر پیاز اور بعد میں گڑ کھائے، صحت و قوت

کے لحاظ سے غذائیت سے بھرپور--- پرانے زمانے کے پہلوان یہی کھایا کرتے تھے---

* مونج کے بان سے بنی ہوئی منجی حکماء کی حکمت پہ مبنی ہوتی ہے، طبی لحاظ سے سوت اور چمڑہ اس کا بدل نہیں---
* تازہ پیاز وٹامن اے، بی اور سی کا مجموعہ ہے، کسی اور شے میں یہ تینوں وٹامن یک جا نہیں پائے جاتے اور پیاز مزدور کی مادری خوراک ہے---
* دل گاجر کا اور جگر مولی کا پانی پیتا ہے اور آج ان دونوں کا موسم ہے--- اپنے جسم کی توانائی کو بحال اور قائم رکھنے کے لیے مولی، گاجر اور شلغم کھا اور گنا چوس، جو غذائیت ان میں ہے عمدہ عمدہ پھلوں میں بھی نہیں---
* موٹھ کی کھچڑی جو تیرے نزدیک کمترین کھانا ہے، بہترین حیاتین کا مرکب ہے---
* چائے پینے سے پہلے پانی پیا کرو---
* عوامی کھانا ''کنک (گندم) کی روٹی، گنڈھا (پیاز) تے لسی'' دنیا بھر کے کھانوں کا سردار ہے، بڑے بڑے ماہرین خوراک آج تک اس کا بدل نہیں بتا سکے، کسی بھی ٹانک میں یہ حیاتین یک جا نہیں ہوتے---
* مغز بادام ایک پاؤ، انجیر ایک پاؤ، منقیٰ (بیج نکال کر) ایک پاؤ، تمام ادویات کوٹ کر ملا لیں، دو تولہ صبح، دو تولہ شام ہمراہ دودھ، یہ تینوں اجزا جو ہر دماغ کو طاقت دیتے ہیں، دماغ سے بلغمی اور سوداوی مادے خارج کر کے دماغ کو قوت دیتے ہیں--- نسخہ مقوی دماغ ہے---
* برگ سنا مکی، ہلیلہ کلاں (گٹھلی نکلا ہوا) ہم وزن کوٹ چھان کر ملا لیں، ایک ماشہ رات کو دودھ کے ساتھ استعمال کریں، جسم کے فضلات ردّی کو خارج کرتا ہے، صفرا کو ادرار بول سے خارج کرتا ہے، یرقان کو دور کرتا ہے اور بلغم کو مسہل کے راستے نکالتا ہے اور اس کی مزید پیدائش کو روکتا ہے--- دماغ کا تنقیہ کرتا ہے، مقوی معدہ ہے، پیٹ سے استسقاء کے پانی کو نکالتا ہے، مصفی خون ہے، مستورات کے امراض میں مفید ہے---
* ایک گلاس دودھ نیم گرم میں ایک چمچ شہد اور ایک چمچ بادام روغن ملا کر استعمال کریں، فالج سے شفا کی اُمید ہے---
* ایسے ہی لہسن کی تین تریاں کوٹ کر ایک پاؤ دودھ میں پکائیں، پھر اس میں شہد ملا کر پی لیں---

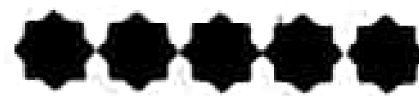
جب بھی بندہ طبی معلومات کی فکر میں محو و منہمک ہوا، مطلوبہ حقیقت منکشف ہوئی، جو کوئی جب کبھی اور جہاں کہیں افادۂ عام میں معروف ہوا، معروف ہوا، کامیاب بھی ہوا، کامران بھی، ماشاء اللہ، اگرچہ غیر مسلم ہو---

بلا تخصیص خدمت پہ بلا تخصیص عنایت ہوتی ہے---عنایت ربانی نافع الناس امور کی جدوجہد کو کامیاب فرمانے میں ایمان و کفر کی تمیز روا رکھتی تو معنوی اعتبار سے غلط ہو جاتی اور اگر ایسے ہوتا تو کون و مکان کے خالق و مالک رب العالمین کیسے کہلاتے؟---

بعینہٖ اگر رزق کی تقسیم ذات و صفات پہ موقوف ہوتی تو بادشاہوں کے بادشاہ رب العالمین خیر الرازقین کیوں کر کہلاتے؟---

حکمت بہترین رزق ہے، جو بندوں کو عنایت ہوتا ہے---

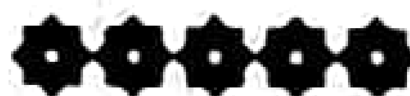
الحمد للحی القیوم---و اللہ خیر الرازقین---و اللہ ذوالفضل العظیم---



نعت شریف

خوشا قسمت، ہمارا وہ نبی آقائے نعمت ہے　　جہانوں کے لیے جس کا وجود پاک رحمت ہے
وہ ملبوس بشر میں اور عکس نور وحدت ہے　　مدینہ اس کی جلوت ہے تدلیٰ اس کی خلوت ہے
جہان حسن و خوبی میں مسلّم اس کی یک تائی　　وہ دیدہ زیب پیکر شاہکار دست قدرت ہے
کیا ہے اعتراف ہر دور نے اس کی فراست کا　　وہ اُمّی ہے بظاہر اور قسیم علم و حکمت ہے
مجھے جنت کی خواہش بھی ہے ان کی دید کی خاطر　　نہ میرا مدعا جنت نہ کوئی اور حاجت ہے
ہمارا دل ربا الحمد للہ اک حسیں اسوہ　　ہماری جاں فزا، صل علیٰ اک پاک سیرت ہے
خدا کا بھی ہے نافرمان، نافرمان احمد کا　　محمد کی اطاعت رب اکبر کی اطاعت ہے
ازل سے ہے ہم ہیں دربار محمد کے گدا طارق　　اسی دربار سے پوری ہماری ہر ضرورت ہے

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



روحانی علاج

خارش، پھنسیاں اور ایگزیما

وَ مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ---[پارہ۱۳]

ایک سبز دھاگہ لے کر اس پر تین بار یہ آیت پڑھ کر تین گرہ لگائیں اور دھاگہ مریض کے دائیں بازو پر باندھ دیں---

مصیبت سے خلاصی کے لیے

جب بھی کسی مصیبت، بلا یا تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہو یا خدانخواستہ کسی مصیبت میں کوئی گرفتار ہو جائے تو ان کلمات کا ورد رکھے، ان شاء اللہ تعالیٰ جلد خلاصی حاصل ہوگی:

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا---[حصن حصین]

دہشت اور گھبراہٹ سے نجات

جب بھی دل میں دہشت یا گھبراہٹ محسوس ہو تو اس دعا کو پڑھنا بے حد مفید ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ جلد اطمینان حاصل ہو جائے گا:

اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ---

ہر حاجت پوری ہو

جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت ہو یا اس کے کسی بندے سے کوئی خاص کام پیش آ جائے تو اسے چاہیے کہ خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت (اپنی حاجت کی نیت سے) نماز حاجت پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے، ان شاء اللہ تعالیٰ حاجت جلد پوری ہوگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا

مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ---

''اے اللہ! میں تجھ سے ہی سوال کرتا ہوں اور تیری ہی طرف متوجہ ہوں تیرے نبی ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے۔ یا محمد! آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں (اور دعا کرتا ہوں) تا کہ وہ پوری ہو جائے، اے اللہ! تو میرے بارے میں آنحضور کی سفارش قبول فرمالے''---

سانپ بچھو کاٹنے کا علاج

جس شخص کو سانپ یا بچھو کاٹ لے تو ایسی جگہ پر سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے ان شاء اللہ زہر اثر نہ کرے گا-----

دل کی مضبوطی

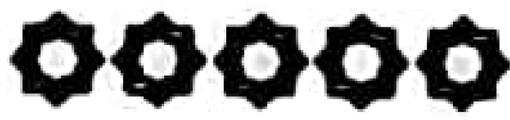
کسی غم، فکر یا صدمہ کے سبب دماغ ٹھکانے نہ ہو یا نماز میں خطرے پیدا ہوتے ہوں یا مصیبت آنے کے خوف سے دل پراگندہ ہو تو یہ ایک سو سترہ مرتبہ ہر نماز کے بعد یا یوں ہی چلتے پھرتے کثرت کے ساتھ پڑھو، دل مضبوط ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ غیب کی مدد بھیج کر مشکل آسان فرمادے گا:

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا---

زیارت آں حضرت ﷺ نماز کے شوق اور گناہوں سے بچنے کے لیے

عشاء کی نماز کے بعد پانچ سو سترہ مرتبہ یہ درود شریف پڑھا کرو۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ---



نعت شریف

ناز قسمت پہ مجھ کو بھی ہونے لگا — عازمین مدینہ میں نام آ گیا
نور سے دل مرا جگمگانے لگا — جب سے لب پہ درود و سلام آ گیا
جس گھڑی ذکر آقا کا میں نے کیا — آپ کا نام نامی ہی کام آ گیا

(صاحبزادہ) محمود احمد نوری

